

پہلے
پہلے

قریبی 2009ء، ستمبر 1430ھ

پہلے پہلے
پہلے پہلے
پہلے پہلے
پہلے پہلے
پہلے پہلے
پہلے پہلے
پہلے پہلے
پہلے پہلے
پہلے پہلے
پہلے پہلے





میں کہوں جو مدحت مصطفیٰ یہ رضائے پروردگار ہے
 مری زندگی ، مری بندگی کا اسی پہ دارو مدار ہے
 تری عظمتیں ، تری رفعتیں کہاں میں کہاں میری ہمتیں
 یہ ترے کرم کا ہے معجزہ کہ تزاں میں آئی بہار ہے
 ملی عاصیوں کو پناہ یاں ، کسی اور در سے بھلا کہاں!
 دو جہاں کا ہے جو قراہ جاں ، یہ وہ شہر ہے وہ دیار ہے
 تو طیب روح حیات ہے ، تو شفیع کوئے نجات ہے
 مجھے فکر روز جزا نہیں کہ مجھے سکون و قرار ہے
 جو ہے وجہ رونق گلستاں ، یہ اس نبی کا ہے آستان
 جہاں جھک رہا ہے وہ آسماں یہ زمیں بھی سجدہ گزار ہے
 تو وہ نور ہے کہ جسے بشر کے کمال کا میں گہر کہوں
 میں بشر ہوں جس کو سبھی کہیں تیرے راستے کا غبار ہے
 تیرا نقش پا ہیں یہ مہر و مہ ، تیری ہر ادا پہ جو ہیں فدا
 ملی دو جہاں کو جو روشنی ، بھلا اس کا کوئی شمار ہے
 مجھے غم میں دیکھا حضور نے تو بڑے ہی پیار سے بول کہا
 ترا شوق تاب رہے جواں ، تو ہمارا مدح نگار ہے

ہائیں و آنت کارنیست

ایک چھوٹا سا روشنی کا شفاف ذرہ جب سورج کی شعاعوں سے متصادم یا متوافق ہو جاتا ہے تو روشنی کے سارے رنگ جذب کر لیتا ہے اور سورج کی ساری خوبیوں کا ٹکس چھوٹے سے وجود میں نظر آنے لگ جاتا ہے حالانکہ اس کی اپنی صلاحیت کچھ بھی نہیں۔ اسے روشن شعاعوں نے آئینہ بنا دیا ہوتا ہے۔

ہماری اس دنیا میں بلاشبہ ایسے لوگ ہر زمانہ میں موجود رہے ہیں جو خدا نہیں اور خدا کے شریک بھی نہیں بلکہ وہ ہمہ دم شرک کی لٹی کرنے والے ہوتے ہیں۔ ان کا عقیدہ، ان کی حیات اور ان کی دعوت یقین نہ رکھنے والوں کے لئے نور ایمان اور یقین رکھنے والوں کے لئے خوشخبری ہوتی ہے۔ ان کے انفس اصلاح کے پیغام بانٹتے ہیں اور ان کی محبت بصائر کی دولت بانٹی ہے۔ یہ لوگ بادشاہ نہیں ہوتے لیکن بادشاہ ساز ضرور ہوتے ہیں۔ اللہ اللہ کرنے سے نور ان کے رگ و پے میں سرایت کر جاتا ہے۔ حضور انور ﷺ کی ”حضوری“ ان کی طریقت کی جان ہوتی ہے۔ آپ ﷺ کی پیروی ان کا رنگ حیات ہوتا ہے۔ دھیمے انداز کے یہ نہایت قوی اور محکم لوگ ہوتے ہیں۔ ان کی عاجزی ہی ان کا تعارف ہوتا ہے۔ ان سے وابستگی عزت، وقار اور حسن عاقبت کی ضامن بن جاتی ہے۔ یہ لوگ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں میں فکر رکھتے ہیں اور ان کا جذبہ تشکر محبت آفریں بن جاتا ہے۔ یہ عبقری، عظیم اور خدا پرست لوگ اپنی خوئے ایمان، تقویٰ، آگہی اور خدا وادبصیرت سے اپنے دور کے مشکل مسائل حل کر لیتے ہیں۔ بادشاہ ان کے دروازوں کے در یوزہ گر ہوتے ہیں۔ ان کی آپس میں محبت قابل رشک ہوتی ہے۔

سلطان علاؤ الدین خلجی کا زمانہ تھا۔ حضرت محبوب پاک خواجہ نظام اور بوعلی قلندر اسی دور کے اقطاب بقا اور قطب الارشاد تھے۔ خلجی دونوں سے محبت کرتا تھا اور ان کی عقیدت کو دافع البلاء تصور کرتا تھا۔ ایک دہلی اور دوسرا پانی پت میں مقیم تھا۔ بادشاہ نے محسوس کیا کہ اس کے اقتدار کی چولیس بل رہی ہیں۔ ارادہ کیا کہ قلندر کی بارگاہ میں سفارت بھیجے۔ اس عظیم کام کے لئے حضرت امیر خسرو کا انتخاب ہوا، لیکن حضرت امیر خواجہ نظام پاک کی اجازت کے بغیر کب جاسکتے تھے۔ یہ اس لئے بھی ضروری تھا کہ نظام کی اجازت سفارش بن جائے اور بوعلی قلندر نظر کر م فرمادیں۔ خواجہ نظام تامل کے بعد راضی ہو گئے اور اپنے مرید حضرت امیر خسرو کو پانی پت بھیجئے کے لئے اجازت مرحمت فرمادی، چنانچہ امیر خسرو بادشاہ کے سفارشی بن کر مرغ انتخاب پانی پت پہنچے۔ خادموں نے اطلاع کی کہ امیر خسرو محبوب الہی اور بادشاہ کی طرف سے آپ کی خدمت میں حاضر ہوا ہے۔ اذن باریابی ہوا اور حضرت بوعلی قلندر نے استفسار کیا کہ ہندی زبان میں ہیٹری گو (شاعر) تھے ہی کہتے ہیں۔ امیر نے ادب سے کہا جی حضور بندہ کو اسی لقب سے یاد کیا جاتا ہے، پھر امیر نے بادشاہ کے تحفے آپ کی خدمت میں پیش کئے اور عرض کی نذر قبول فرمائیے۔ آپ نے فرمایا مجھ دنیا کے دھندوں سے کچھ غرض نہیں۔ یہ چیزیں میرے کس کام کی ہیں؟ پھر آپ فرمانے لگے:

حضرت امیر خسرو نے اپنی یہ غزل سنائی:

آنکہ گوئی پیچ سختی از فراق یار نیست
گر امید وصل باشد آنچنان دشوار نیست
خلق را بیدار پایہ بود از آب چشم من
ایں عجب کاں وقت مینگرم کہ کس بیدار نیست
عاشقان مرا در جہاں یکساں نباشد روزگار
زانکہ این انگشتها بر دست من ہموار نیست
یک قدم بر نفس خود نہ و آں دیگر در کوئے دوست
ہرچہ بینی دوست ہیں با ایں د آنت کار نیست
چند می گوئی بہر زکار را اے بت پرست
برتن خسرو کدای رگ کہ آں زناں نیست

(۱) تو نے یہ کہا کہ دوست کی جدائی سے بڑھ کر کوئی تکلیف نہیں ہوتی لیکن وصل اور ملنے کی امید ہو تو پھر کوئی دشواری اور مشکل، بے شکل نہیں ہوتی۔

(۲) مخلوق کو چاہئے کہ وہ میرے آنسوؤں سے بیدار ہو جائے لیکن مشکل یہ ہے کہ جب میں روتا ہوں کوئی موجود ہی نہیں ہوتا۔

(۳) محبت کرنے والوں کا وقت ہمیشہ ایک ایسا نہیں رہتا، نہیں دیکھتے کہ ہاتھ کی انگلیاں برابر نہیں ہیں۔

(۴) اپنا ایک قدم نفس پر رکھ کر اسے پامال کر اور دوسرا قدم محبوب کی گلی میں رکھ، جو کچھ تو دیکھے دوست ہی میں دیکھے کسی دوسرے سے راہ نہ رکھ۔

(۵) کب تک تو کہتا رہے گا کہ اے بت پرست اس زناں کو کاٹ دے، خسرو خود تیرے تن پر کون سی رگ ہے جو زناں نہیں بن چکی۔

حضرت بوعلی قلندر نے کلام سنا اور فرمایا:

اچھا کہتا ہے اور اچھا ہی رہے گا اور اچھا ہی جائے گا۔

پھر فرمایا کچھ میرا کلام بھی سن لو:

ارشاد فرمایا:

دہیم خسرواں برما نعلی استر است
خسرو کسے کے کہ خلعت تجرید در بر است
سیرغ وار روئے نہمہفتم بقاف عشق
کو عارفے کہ منظر او عرش اکبر است
عقل کل است علم لدنی بعارفاں
این عقل و علم حسن و درسی مخفر است
درس شرف نبود از الواح ابجدی
لوح جمال دوست مرا در برابر است

(۱) بادشاہوں کے تاج میرے نزدیک فخر کے کھر کی طرح ہیں، اصل میں بادشاہ وہ ہے جس نے تجرید کا لباس پہن لیا ہو

(۲) یسوع کی طرح میں نے اپنے آپ کو کوہ قاف میں چھپا لیا ہے، وہ عارف کہاں گئے جن کا منظر عرش اکبر ہو

(۳) عارفین کے نزدیک علم لدنی ہی اصل علم ہے، یہ حواسی اور تدریسی علوم حقیر چیزیں ہیں

(۴) میں نے ابجد کی تختیوں پر نہیں پڑھا، بلکہ جمال دوست کی تختی ہمیشہ میرے سامنے رہی ہے

حضرت امیر خسرو نے یہ اشعار سنے اور رونے لگ گئے۔ قلندر نے کہا کہ کچھ سمجھے بھی ہو کہ رو

رہے ہو، آپ نے فرمایا: حضور رو تا ہی اس لئے ہوں کہ کچھ سمجھتا نہیں۔ بوعلی قلندر نے وفد کو رخصت کرتے ہوئے فرمایا:

حاصل دہلی خلجی کے نام اس شرط کے ساتھ کہ وہ اللہ کی مخلوق سے حسن سلوک رکھے۔

حکایت عرضی کا مقصد یہ ہے کہ کردار اور تربیت کے بغیر قوم قوم نہیں بن سکتی ہجوم ہی رہتی

ہے۔ دور قدیم میں مسلمان مرنے کی تلاش کرتے اور پھر ان کی دلیل کو اپنے لئے لازم قرار دیتے۔ بندگان خدا کی صحبت اور تربیت

اچھے بادشاہ، اچھے معلم اور دردمند اچھے نئے اور پاک کردار سامنے پیدا کرتی۔ ہمارے دور حاضر میں گندے انڈوں سے نکلنے والے

بچے بادشاہ بن رہے ہیں، معلم بن رہے ہیں اور ذہنی آوارگی کا عالم یہ ہے کہ نیک لوگوں اور بزرگوں سے وابستگی کو بدعت اور شرک

سے تعبیر کیا جانے لگا ہے۔ شاید شاعر نے بھی تنگ آ کر کہا تھا:

اشھا کر پھینک دو باہر گلی میں

نئی تہذیب کے اٹھے ہیں گندے

صفر المظفر اللہ والوں کا مہینہ ہے۔ داتا علی ہجویری کا مہینہ، مہر علی شاہ کا ماہ، احمد رضا خاں

فاضل بریلوی سے منسوب مہر معظم اور مجدد الف ثانی کی تحریکی یادوں کا لمحاتی آئینہ، اس میں اگر اتنی سی بات ہی گروہ بند کر لی جائے

کہ اہل اللہ ہماری تربیتی ضرورت ہیں۔ ان سے اعتقادی، معاشرتی، روحانی اور عملی وابستگی ہماری کامیابیوں کا ذریعہ بن سکتی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے نیک دل اور نیک عمل دوستوں کی فضیلت خود بیان فرمائی اور قرآن حکیم

میں کامیاب زندگی کا نسخہ کیسا عطا فرمایا ہے۔

أَلَا إِنَّ أَوْلِيَاءَ اللَّهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ﴿٦٢﴾ الَّذِينَ آمَنُوا وَكَانُوا يَسْتَقِيمُونَ ﴿٦٣﴾

لَهُمْ الْبُشْرَىٰ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَفِي الْآخِرَةِ لَا يَتَّبِعُونَ لِكُلِّبِئْتِ اللَّهِ ذَٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ ﴿٦٤﴾

وَلَا يَحْزَنُونَ قَوْلُهُمْ إِنَّ الْعِزَّةَ لِلَّهِ جَمِيعًا ۗ هُوَ السَّبِيحُ الْعَلِيمُ ﴿٦٥﴾ (سورہ یونس ۶۲-۶۵)

سن رکھو! کوئی شبہ ہے ہی نہیں اللہ کے دوستوں پر نہ کچھ خوف ہے اور نہ وہ غمگین ہوں گے (۶۲) وہ جو

ایمان لائے اور ڈرتے رہے (۶۳) اُن کے لیے دنیا کی زندگی میں پیغامات مسرت ہیں اور آخرت میں

بھی، اللہ کے کلمات میں تبدیلی نہیں ہوتی یہی تو بڑی کامیابی ہے (۶۴) اور ان کی باتیں آپ کو غمگین نہ کریں

بے شک عزت اللہ کے لیے ہے سب کی سب وہی خوب سننے والا سب کچھ جاننے والا ہے (۶۵)

اللہ تعالیٰ اپنے دوستوں کی صحبت، محبت اور عقیدت نصیب فرمائے۔

سیدہ حسنینہ بنت علیؓ

سیدہ ریاض حسین شاہ



حرف روشنی

سید ریاض حسین شاہ قرآن مجید فرقان جمید کی تفسیر "تہجرۃ" کے عثمان سے تحریر کر رہے ہیں۔ اس کا اسلوب نگارش منظر و نگار مفسرین سے مختلف بھی ہے اور دلچسپ بھی۔ اس کا زبان سادہ اور گہرا ہے جس میں رموز و معانی کا سمندر موجزن ہوتا ہے۔ ذیل میں ہم نگارین کی دلچسپی کے لیے سورہ اخلاص کے پہلے حصے کی تفسیر پیش کر رہے ہیں (۱۸۱)۔

سید ریاض حسین شاہ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

آپ فرمائیں! اللہ یکتا و یگانہ ہے (۱)

قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ۝۱

گہوارہ تربیت کا راز وحدت حضور ﷺ کے مبارک دل پر کئی زندگی میں جلوہ آفرین ہوا۔ اس میں ایک روایت کے مطابق چار اور دوسری روایت کے مطابق پانچ آیات ہیں۔ پندرہ کلمات اور سترالیس (۴۷) حروف ہیں۔

اللہ تعالیٰ ہر دم اپنی مخلوق پر اپنے کرم کو جاری ساری رکھے ہوئے ہیں۔ نزول قرآن بھی اس کی رحمتوں کا عکس ہے۔ اس ذات احد نے اپنے قرآن میں ایک ایسی سورت بھی اتاری جو مقصد زندگی کا محور ہے۔ مضامین توحید میں سورہ اخلاص کو ایک خاص اہمیت حاصل ہے۔ تمام تعریفیں اللہ ہی کے لئے ہیں اس نے اپنی معرفت کا جوازی ابدی پد یہ بنام انسانیت اپنے حبیب کے تصدق عطا فرمایا، مفسرین نے اس کے میں یا ایکس نام گئے ہیں۔ خطیب شہرینی کی مدد سے نقل کئے جاتے ہیں۔

سورہ قہرید:

ایسی سورت جس سے اللہ تعالیٰ کے موجود ہونے پر دلالت ملتی ہے۔

سورہ توحید:

اس کلام رفیع میں اللہ تعالیٰ کی توحید کو بڑے احسن، جامع اور موثر اسلوب میں بیان کیا گیا ہے۔ انداز منطقیوں اور فلسفیوں ایسا نہیں ہے۔ کلام کی فطری سادگی اور حسن نے رعوں کو جیسے رمز وحدت میں جذب کیا ہوتا ہے۔

سورہ تجرید:

یہ سورت ایک اعلان ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر قسم کے شرک، شہید اور نظیر سے پاک ہے۔ توحید ذاتی، توحید صفاتی اور توحید فعلی پر سورت انتہائی دلکش استدلال مہیا کرتی ہے۔

سورہ نجات:

سورت پر ایمان اور اعتقاد سے کفر اور شرک کی دھرتا ریکیوں سے نجات میسر آتی ہے۔

سورہ ولایت:

اس سورت پر ایمان، اس کی تلاوت اور اس سے مجذوبانہ اور محبت آمیز تعلق سے اللہ تعالیٰ اپنے بندے کو اپنی دوستی کا انعام عطا فرماتا ہے اور اسلام میں شجر اعتقاد کا یہ بڑا لذیذ اور لطیف ثمر ہے۔

سورہ مشفقہ:

موذی امراض سے شفا پانا کہلاتا ہے۔ یہ سورت روحانی، جسمانی اور نظریاتی ہر قسم کے امراض سے خلاصی اور شفا بخشتی ہے، اس لئے اسے سورہ مشفقہ کہہ دیتے ہیں۔

سورہ امان:

اللہ تعالیٰ اس سورت کی برکت سے اپنے قہر و غضب سے امان عطا فرماتا ہے۔

سورہ معوذہ:

اس سورت کی حیثیت قرآن حکیم میں ایک پناہ گاہ اور آماجگاہ کی ہے۔ اس کے مہموات پر اعتقاد ایک تعویذ بن جاتا ہے، ایسا تعویذ جو بندے کو ہر قسم کے خوف سے بے نیاز کر دیتا ہے۔

سورہ اساس:

روایات میں آتا ہے کہ آسمانوں اور زمینوں کی بنیاد اس سورت پر ہے۔

سورہ الحشر:

ایسی سورت جس کی تلاوت سننے کے لئے فرشتے حاضر رہتے ہوں۔

سورہ المعطرہ:

شیاطین کو بھگانے والی سورت۔

سورت ابراہۃ:

ایسی سورت جس میں شرک سے برأت ہے۔

سورہ احصان:

حدیث شریف میں آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا جس نے یہ سورت پڑھی وہ میرے قلعے میں آگیا اور جو میرے قلعے میں آیا وہ میرے نواب سے محفوظ ہو گیا۔

سورہ المذکرہ:

اللہ تعالیٰ کی یاد دلانے والی سورت۔

سورہ نور:

ایسی سورہ جس کی تلاوت سے قلب و روح روشن ہو جائیں۔

سورہ مائدہ:

قبر اور آخرت کے عذاب سے بچانے والی سورت۔

سورہ اخلاص:

توحید کا خالص مضمون اس سورت کا طرہ امتیاز ہے۔

سورہ صمد:

ایسی سورت جو غنی عطا کر دے اور فقر سے چھٹکارا دے اور مقاصد قرآن تک پہنچائے۔

سورۃ المعرفہ:

اللہ تعالیٰ کا عرفان بخشنے والی سورت۔

سورہ نسہ:

ایک سوال کیا گیا کہ اللہ کا نسب کیا ہے۔ یہ سورت اس سوال کا جواب ہے۔

سورہ جمال:

جمال انوار سے مزین سورہ۔

سورت کے شان میں یہ بات نقل کی گئی ہے کہ یہودیوں نے حضور ﷺ سے یہ سوال کیا کہ آپ ان کے لئے اللہ کی صفات بیان کریں۔

آپ ﷺ تین دن تک خاموش رہے اور کوئی جواب نہ دیا، یہاں تک کہ یہ سورت نازل ہوئی اور یہود کے سوال کا جواب دے دیا گیا۔ سائل عبد اللہ بن صورت یا تھا، یہ بھی کہا گیا، یہ تقاضا کرنے والے عبد اللہ بن سلام تھے۔ یہ بھی تفسیری روایات میں آتا ہے کہ اس نوعیت کا سوال مشرکین مکہ نے کیا۔ نجران کے ایک عیسائی وفد سے متعلق بھی ایک آدھ روایت موجود ہے۔

سورہ اخلاص کی فضیلت میں امام بخاری علیہ الرحمہ نے ایک حدیث نقل کی ہے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ایک صحابی جہادی مہم کے درمیان ہمیشہ نماز میں سورہ اخلاص پڑھتے۔ لوگوں نے واپسی پر حضور ﷺ سے شکایت کی۔ حضور ﷺ کے فرمان پر لوگوں نے اس سے پوچھا وہ ایسا کیوں کرتا تھا اس نے کہا اس لئے کہ یہ رُحْمٰن کی صفت ہے مجھے اس لئے اس کا پڑھنا محبوب ہوا۔ حضور ﷺ نے فرمایا لوگو! آگاد کرو کہ اللہ اس سے محبت رکھتا ہے۔

حضور ﷺ نے فرمایا مجھے قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ یہ سورت تہائی قرآن کے برابر ہے (نسائی، ابوداؤد، احمد) حضرت ابو ہریرہ ؓ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے ایک شخص کو قتل ہو اللہ احد پڑھتے ہوئے سنا تو فرمایا واجب ہوگئی، میں نے عرض کی کیا چیز واجب ہوگئی فرمایا "جنت"۔ (جامع ترمذی، سنن نسائی)

معاذ بن انس جنتی ؓ فرماتے ہیں جس نے دس بار قتل ہو اللہ احد پڑھی، اللہ تعالیٰ اس کے لئے جنت میں ایک گھر بناتا ہے۔ عمر ؓ نے عرض کی جب تو یا رسول اللہ ﷺ ہم جنت میں بہت گھر حاصل کر لیں گے۔ آپ ﷺ نے فرمایا۔ اللہ کے ہاں کسی چیز کی کمی نہیں اور وہاں پر ہر چیز اچھی سے اچھی موجود ہے۔ (مسند احمد بن حنبل)

حضرت انس ؓ سے روایت ہے کہ جس شخص نے پچاس مرتبہ قتل ہو اللہ احد پڑھی اللہ تعالیٰ اس کے پچاس سال کے گناہ معاف فرمادیتا ہے (رواد ابو یعلیٰ)

حضرت جابر ؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ فرماتے تھے، تین باتیں ایسی ہیں جس نے ایمان کے ساتھ انہیں ادا کیا، تو وہ جنت میں جس دروازے سے چاہے گا داخل ہوگا اور جس "حورالعین" کو پسند کرے گا اسے مل جائے گی۔

۱۰ ایک وہ جس نے قتل کرنے والے سے عفو کیا۔

۱۱ دوسرا جس نے پوشیدہ قرض ادا کیا۔

۲۵ تیسرا وہ جس نے ہر فرض نماز کے بعد دس مرتبہ سورہ اخلاص پڑھی۔

حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے عرض کی اگر کوئی ایک ہی پر عمل کر سکا تو حضور ﷺ نے فرمایا ”ہاں“ یعنی اسے بھی یہ اجر مل جائے گا (مواہب الرحمن)۔ ایک مرتبہ حضرت جبرائیل بارگاہ سب سے کس پناہ میں حاضر تھے کہ ابو ذر غفاری رضی اللہ عنہ آگئے، حضرت جبرائیل نے عرض کی یہ ابو ذر آ رہے ہیں حضور ﷺ نے فرمایا، کیا تم فرشتے، ابو ذر کو جانتے ہو جبرائیل نے کہا یہ یہاں سے زیادہ ہمارے ہاں شہرت رکھتے ہیں حضور ﷺ نے فرمایا کس وجہ سے انہیں یہ فضیلت ملی ہے، فرمایا ایک تو اس لئے کہ یہ اپنے آپ کو اپنے جی میں چھوٹا سمجھتے ہیں اور دوسرا قل هو اللہ احد کثرت سے پڑھتے رہتے ہیں۔ (منہاج الغیب، امام رازی)

ایک شخص نے حضور ﷺ سے اپنی غربت کی شکایت کی، آپ نے فرمایا جب گھر جاؤ تو کوئی موجود ہو تو سلام دو وگرنہ مجھ پر سلام بھیجو اور پھر ایک مرتبہ قل هو اللہ احد پڑھو۔ اس شخص نے اس پر عمل کیا۔ رب نے اسے اتنا نوازا کہ وہ پڑوسیوں کے لئے خیر بار ہو گیا (الجامع الاحکام القرآن۔ قرطبی)

سورہ اخلاص کی فضیلت میں حافظ ابو یعلیٰ نے دو روایتیں نقل کیں، ہر ایک روحانیت اور طمانیت کی سوغات ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں تنوک کے موقع پر حضور ﷺ کے ساتھ تھا۔ ایک دن سورج نکلا اور اس کی جا ذ بیت از حد زیادہ تھی۔ جبرائیل آئے اور حضور ﷺ سے عرض کی شعاعوں میں حسن اس لئے ہے کہ آج مدینہ میں آپ کے صحابی ”معاویہ لیثی“ کا انتقال ہو گیا ہے، کیا آپ چاہیں گے کہ ان پر نماز ادا فرمائیں۔ آپ نے فرمایا ”ہاں“۔

حضرت جبرائیل نے اپنا پر زور سے زمین پر مارا تو پہاڑ ٹپاں، ٹیلے اور درخت پست ہو گئے اور صحابی رضی اللہ عنہ کا جنازہ آپ کے سامنے ہو گیا۔ آپ نے نماز پڑھی اور پیچھے دیکھا کہ ستر ستر ہزار فرشتوں کی دو صفیں شریک نماز پائیں۔ آپ نے فرمایا جبرائیل انہیں یہ فضیلت کیونکر ملی ہے؟ فرمایا انہیں سورہ اخلاص سے محبت تھی اور اٹھتے بیٹھتے یہ ”قل هو اللہ احد“ پڑھتے رہتے تھے۔ (طبرانی، معجم، ابن کثیر، مواہب)

دوسری روایت امام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہ کی ہے حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ میری حضور ﷺ سے ملاقات ہوئی، میں آگے بڑھا اور آپ ﷺ کا مبارک ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر عرض کی یا رسول اللہ ﷺ! مومن کی نجات کس چیز سے ہوگی آپ نے فرمایا:

اے عقبت!

اپنی زبان گوئی کر لے

اپنے گھر میں بیٹھ جا

اور

اپنے گناہوں پر رو

پھر جب دوسری مرتبہ میں آپ ﷺ سے ملا، تو آپ نے پہل فرمائی اور میرا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے لیا اور فرمایا:

اے عقبت!

تجھے خیر بتا دوں؟

تین سورتیں ہیں

قل هو اللہ احد

قل اعوذ برب الفلق

اور

قل اعوذ برب الناس

تو رات، زیور، انجیل اور قرآن میں نازل ہوئیں

عرض کی حضور ضرور بتلائیں

آپ نے یہ تین سورتیں مجھے پڑھائیں اور فرمایا:

”انہیں بھولنا نہیں“

اور

انہیں پڑھے بغیر سوائے انہیں

عقبہ فرماتے ہیں پھر یہ دونوں عمل میں نے ترک نہ کیے۔

حضرت عقبہ فرماتے ہیں پھر ایک دن ملا تو میں نے ابتدا کر کے آپ کا مبارک ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر عرض کی:

یا رسول اللہ ﷺ!

مجھے اعمال فضیلت آپ ارشاد فرمادیں۔

آپ ﷺ نے فرمایا:

عقبہ!

جو تجھ سے قطع تعلقی کرے تو اس سے صلہ رحمی کر۔۔۔!!

جو تجھے محروم کرے تو اسے عطا کر

اور

جو تجھ پر ظلم کرے تو اس سے تعرض کر لے

بخاری شریف کی ایک روایت کے مطابق، آپ ﷺ کا معمول مبارک تھا کہ آپ رات بستر میں تشریف فرما ہونے کے بعد سورہ اخلاص،

فلق اور الناس تلاوت کر کے دونوں ہاتھوں پر دم فرماتے اور پھر سارے بدن پر مسح کر لیتے اور ایک حدیث میں ہے کہ تین مرتبہ ایسا فرماتے۔

علماء نے اس کا یہی معنی سمجھا ہے اللہ تعالیٰ ان سورتوں کی برکت سے مرض و کسل سے محفوظ فرمادیتا ہے۔

قُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ

آپ فرمائیں! اللہ یکتا ویگانہ ہے

آیت میں لفظ "قل" خاتم اذکار میں تکبیر کی طرح جڑ دیا گیا ہے۔ کہتے ہیں ادب کی تاریخ میں الفاظ اور کلمات کے اتنی خصوصیت لہجے اور بدنی

ادائیں تیر درختان کی حیثیت رکھتی ہیں۔ کلام کتاب بھی بلند ہو بولنے والے کا نظر آنا اور اس کے جمالیاتی پیکر کا صوتی لہروں میں اتر آنا اپنا ہی مزہ

رکھتا ہے۔ اللہ جل جلالہ کی توحید "نحر حیرت" ہے۔ اس میں سکون و اطمینان کی معرفت اس کو ملتی ہے جسے حضور ﷺ سے فیض نسبت حاصل ہو

جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب سے قل کہہ کر ان کی جمالیاتی نسبتوں کو قرآنی لہروں میں اتار دیا ہے۔ میں سمجھتا ہوں قرآن کا یہ لفظ ہی

اپنے قاری کو بہت کچھ عطا کر دیتا ہے۔

"قل"

عقیدے کے قطعی ہونے کا حتمی اعلان ہے۔

لفظ جہاں عقیدے کی حتمیت بیان کرتا ہے

وہاں حضور ﷺ کے لئے ایمان توحید کی سند بھی بن جاتا ہے۔

قل یعنی "آپ فرمادو"

مشکل کو آسان بنا دینے کے لئے ہے یعنی ایسی ذات جسے نہ گنا جاسکے اور نہ چھو جاسکے، نہ اس سے پہلے کوئی ہوا اور نہ بعد، جو ظاہر باطن

خود ہی ہے، اسے دیکھا جاسکے نہ لمس میں اتارا جاسکے۔ اس کا ماننا آسان تو نہیں۔ نادیہ کو دیدہ کی طرح منوانے کا اعجاز محبوب تیری زبان میں

رکھ دیا گیا ہے، فلہذا آپ فرمادو، روحانی اعتبار سے سورہ اخلاص کے پہلے دو حرف جمالیاتی حسوں کو کس قدر تیز کر دیتے ہیں کہ رب العالمین

رحمت عالم کی زبان کو نور تر جہان ہونے کا اعزاز بخش دیتا ہے۔

هو

هو واحد غائب کی ضمیر ہے۔ ایک مبہم مفہوم کی وضاحت کے لئے اسے کلام میں سمود یا گیا ہے۔ جملہ کی یہ ساخت ایک واقعیت اور

حقیقت سے نقاب سرکاتی ہے۔ هو کا استعمال ذات حق کی طرف ایک اشارہ ہے جو اس کے محسوسات میں نہ آنے کی طرف ایک رمز ہے اور

یہ سمجھایا جا رہا ہے کہ وہ انسانی افکار کی دسڑس سے ماورا ہے، اگر چہ اپنی صفات کے جلووں سے وہ ہر ایک چیز سے زیادہ ظاہر ہے۔ شوقی ترکیب

کے لحاظ سے یہ معنی تپ ہوگا جب ہو کو مبتدا تسلیم کیا جائے، بصورت دیگر ہو کو بعض مفسرین نے ضمیر شان کے معنوں میں بھی لیا ہے، یعنی اللہ

کی ذات اقدس یہ شان رکھتی ہے کہ وہ اکیلا ویگانہ ہے۔

بخار الانوار کی ایک روایت کے مطابق غزوہ بدر کے دوران مولا علیؑ نے حضرت علیہ السلام کو خواب میں دیکھا اور عرض کی مجھے کوئی ایسی چیز بتائیں جس کے فیض مدد سے دشمنوں پر غلبہ حاصل ہو تو انہوں نے یہ کلام تلقین کیا۔

یا ہو

یا من لا ہو

الا ہو

صبح ہوئی تو حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا:

یا علی علمت الاسم الاعظم

اے علی آپ کو اسم اعظم کی تعلیم دی گئی (بخار الانوار)

صوفی کرام نے ”ہو“ کو ذات اقدس کے لئے بطور رمز اکثر استعمال کیا ہے۔ سلطان العارفين حضرت بابو علیہ الرحمہ نے تو اپنے کلام میں ہو کے تکرار سے معرفت کے جو جام تقسیم فرمائے ہیں تشنگان معرفت اس قدر مکر کی لذتوں سے خوب آشنا ہے۔

اللہ

قرآن مجید میں یہ اسم پاک دو ہزار چھ سو اٹھانوے مقامات پر آیا ہے کہیں معرفت اور کہیں نکرہ۔ یہی اسم اعظم ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ذات اقدس مادہ اور صورت دونوں سے بے نیاز ہے۔ اس کا قرب حاصل کرنے کے لئے ضروری ہے کہ اس کے نام کا ذکر کیا جائے، یہ ذکر ہی چاہنے والوں کے بدتوں میں تقرب کی خوشبو مسود تیتا ہے۔

مولانا روم فرماتے ہیں کہ

اللہ اللہ گو کہ اللہ می شوی

این سخن حق است واللہ می شوی

ایک ذریعہ نوافل کی ادائیگی سے اس کا قرب پانا ہے۔ حضور ﷺ نے اللہ تعالیٰ کا ارشاد نقل فرمایا ہے کہ بندہ نفلوں کے ذریعہ مجھ سے قریب ہو جاتا ہے حتیٰ کہ میں اس کے ہاتھ بن جاتا ہوں اور اس کی زبان ہو جاتا ہوں جن سے وہ پکارتا اور بولتا ہے۔ تقرب کے اس مقام بلند کے لئے مولانا روم ارشاد فرماتے ہیں:

گفتہ او گفتہ اللہ بود

گرچہ از حلقوم عبد اللہ بود

اللہ اسم خاص ہے، اس کا مفہوم ”تقیر“ اور حیرت کے ہیں۔ ایسی ذات جس کے بارے میں عقلمیں حیران ہوں۔ اللہ ایسا معبود جس میں مخلوق حیران ہے لیکن اس سے عشق رکھتی ہے۔ اسم اللہ ایسی ہستی کے لئے استعمال ہوتا ہے جو تمام صفات عالیہ کی جامع ہے اور ہر عیب اور نقص سے منزہ اور پاک ہے۔ اسی نام سے قلب و نظر میں روشنی پیدا ہوئی۔ یہی وجہ ہے کہ اسل الخلاق حضور ﷺ بھی ہمہ وقت اسی پاک نام کا ذکر کرتے رہتے تھے۔

احد

احد کی تفسیر میں علماء کے دو گروہ ہیں۔ ایک گروہ کا خیال ہے کہ واحد اور احد میں کوئی فرق نہیں۔ دو لفظ ایک ہی مفہوم کے عکاس ہیں جبکہ مفسرین کا ایک دوسرا طبقہ ہے جن کے نزدیک واحد اور احد میں فرق ہے البتہ دونوں اس بات پر اتفاق کرتے ہیں کہ ذات اور صفات میں یکتائی اسی ذات کو مرادوار ہے۔ وہ اپنی الوہیت میں بھی یگانہ ہے۔ اس کی ذات میں اجزا اٹا ہٹ نہیں۔ مادے اور صورت کی کوئی جہت اس کے لئے ثابت نہیں۔ لمبائی نہ چوڑائی، طول نہ عرض، تعق نہ گہرائی۔ نہ اس کی تحلیل کی جاسکے اور نہ تجزیہ، تحقیقی نہ تقدیری، ترکیبی نہ تجلیلی۔ وہ اپنی ذات کی طرح صفات میں بھی یکتا اور یگانہ ہے۔ وہی قادر مطلق ہے، علم کا مربع اسی کی ذات ہے، غیوب سب اس کے سامنے ہیں، وہی موجود اصل ہے۔ اسی کے لئے ”احد“ کا اسم خاص ہے۔

جب مکہ کی گلیوں میں مشرکین حضرت بلالؓ کو رسیوں میں جکڑ کر تہتی ریت پر گھسیٹتے تھے اور ان کے سینے پر گرم پتھر رکھ کر ان کے عقیدہ کو حید کو شکست دینے کی ذلیل کوشش کی جاتی تھی۔ حضرت بلالؓ ”احد“ ”احد“ کہتے تھے ”واحد“ ”واحد“ نہیں، مطلب یہ کہ جہلذات احد میں ہے وہ واحد میں نہیں، اگرچہ واحد ”احد“ کا عکاس ہو سکتا ہے لیکن جو جلوہ نمائی ”احد“ میں ہے وہ اسی اسم میں ہے اور یہ بھی کہ اسم ذات

”اللہ“ میں وحدت کا معنی ہے اور صفات میں چونکہ کثرت ہے اس لئے ”اللہ“ کے بعد ”احد“ لایا گیا تاکہ پتہ چلے جیسے وہ اپنی ذات میں بیگانہ ہے ایسے ہی وہ اپنی صفات میں بھی یکتا ہے۔

زہری کہتے ہیں کہ احد ذات الہی کے لئے خاص ہے جبکہ واحد غیر کے لئے بھی استعمال ہو سکتا ہے، مثلاً ہم کہنا چاہتے ہیں ایک آدمی تو کہیں گے ”رجل واحد“، ”رجل احد“ نہیں کہہ سکتے یعنی واحد احد میں موجود ہوتا ہے جبکہ احد واحد میں موجود نہیں ہوتا۔

جو لفظ خاص ہوئے تیرے لئے

محبوب تیرے نام کا پڑھا وہاں ہے

ربا سوال کہ قرآن مجید نے واحد اور احد دونوں کا استعمال اللہ رب العالمین کے لئے فرمایا ہے۔

فرمایا قل هو الله احد

دوسرے مقام پر فرمایا:

واللهكم اله واحد

اس سوال کا ایک جواب تو یہ ہے کہ واحد محل اثبات میں جبکہ احد مقام نفی میں استعمال ہوتا ہے۔ جب کہا جائے گا اللہ واحد تو مفہوم ہوگا الوہیت تو اس کا ایک وصف ثابت ہے۔ دوسرے جگہ بھی ہے کہیم بھی ہے کریم بھی ہے، سمیع بھی ہے اور بصیر بھی ہے اور یہ بھی کہ لفظ واحد کثیر الجہات انسانوں کی فکر کو سمجھانے کے لئے افسوس و آفاق میں جب گھمائے گا تو وہ لوگ جنہوں نے ان گنت الہ بنائے ہیں، ان کے لئے درس ہوگا کہ تم معبود بنانے میں بھی کس کثرت میں کھو گئے ہو، اللہ ان گنت نہیں ایک ہی ہے اور وہ ہے اللہ تعالیٰ کی ذات اقدس۔ سورہ اخلاص نے اسی مفہوم کی تکمیل کر دی اور فرمایا:

محبوب فرمادو

هو الله احد

وہ اللہ یکتا ہے۔

حضرت علی المرتضیٰؓ سے ایک سائل نے عین حالت جنگ میں پوچھا کیا آپ اللہ کو واحد کہتے ہیں؟ اس کا معنی کیا ہے؟ کیا آپ کو معلوم ہے؟ لوگوں نے اسے مارنا چاہا لیکن مولا پاک نے تعرض کیا اور فرمایا:

نہ جاننے والوں کا حق ہے کہ

جاننے والوں سے سوال پوچھیں

پھر آپ نے فرمایا:

اللہ واحد ہے کے چار معانی ہو سکتے ہیں۔ وہ اللہ کے لئے درست نہیں اور صحیح ہو سکتے ہیں۔ واحد عدوی ہو تو اللہ کے لئے اس کا استعمال درست نہیں یعنی ہم یہ کہیں کہ وہ ایک ہے ورنہ اس لئے کہ ایک کے بعد ہمیشہ دوسرے کا تصور ہوا کرتا ہے اور حق تعالیٰ کی ذات غیر متناہی ہے۔

دوسرا اللہ کے لئے واحد نوعی لانا بھی درست نہیں جیسے ہم کہیں فلاں آدمی لوگوں میں سے ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ذات کوئی جنس ہے اور نہ نوع اس لئے اس معنی میں اسے واحد کہنا درست نہ ہوگا۔

تیسرا مفہوم جو درست ہے وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات ذات واحد ہے یعنی اشیائے عالم کوئی چیز اس کی شبیہ نہیں، ہاں پروردگار ہمارا ایسا ہی ہے۔

اور

چوتھا مفہوم یہ ہے کہ واحد بمعنی احدی المعنی ہو یعنی اس کی ذات ناقابل تقسیم ہے۔

ہاں اللہ ہمارا ایسا ہی ہے۔

واللہ اعلم

تختول کا لفظ تختول سے بنا ہے جس کا معنی کسی چیز کا خیال رکھنا ہے۔ جب کوئی شخص مال کی نگرانی کرتے اور اس کا خیال رکھے تو کہا جاتا ہے "خالد المال بسخولہ" حدیث شریف میں اس کا مطلب یہ ہے کہ رسول اکرم ﷺ ہمیں وعظ و نصیحت کرتے ہوئے ہمارا خیال رکھتے تھے اور ہر دن وعظ نہ فرماتے تاکہ ہم ملال میں نہ پڑ جائیں اور تھک نہ جائیں۔

"السامة" کا معنی مشقت ہے "سکراہة" کسی کام کو ناپسند کرنا۔ یعنی رسول اکرم ﷺ اس بات کو ناپسند کرتے تھے کہ ہم مشقت اور تکلیف میں مبتلا ہوں اس لئے آپ روزانہ وعظ نہ فرماتے بلکہ کبھی کبھی وعظ فرماتے تھے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جہاں رسول اکرم ﷺ کی حیات طیبہ اور آپ کے معمولات سے امت مسلمہ کو آگاہ کرتے تھے وہاں خود بھی اس پر عمل پیرا ہوتے تھے۔ چنانچہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ ہی حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا اپنا عمل بھی بیان فرماتے ہیں

وہ اس کا تذکرہ یوں کرتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن مسعود لوگوں کو ہر جمعرات کے دن وعظ فرماتے تھے۔ ایک شخص نے آپ کی خدمت میں عرض کیا کہ اے ابوعبدالرحمن (حضرت ابن مسعود کی کنیت ہے) میں چاہتا ہوں کہ آپ ہمیں روزانہ وعظ فرمایا کریں انہوں نے فرمایا سنو!

میرے لئے اس میں صرف یہ بات رکاوٹ ہے کہ میں تمہیں ملال میں ڈالنا پسند نہیں کرتا اور میں وعظ کے سلسلے میں تمہارا اسی طرح خیال کرتا ہوں جس طرح رسول اکرم ﷺ ہمارے ملال کو ناپسند کرتے ہوئے ہمارا خیال کرتے تھے۔ (صحیح بخاری جلد اول ص ۱۶)

رسول اکرم ﷺ کو وعظ و تبلیغ کا حکم تھا ارشاد خداوندی ہے:

يا ايها الرسول بلغ ما انزل اليك من ربك (سورة مائدہ آیت ۶۷)

"اے رسول اللہ ﷺ آپ پہنچا دیجئے جو کچھ آپ کی طرف اتارا گیا اس کے رب کی طرف سے"

اس آیت کریمہ اور اس انداز کی دیگر آیات مبارکہ کی روشنی میں اس بات کا بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ رسول اکرم ﷺ کو تبلیغ دین کا کس قدر ذوق تھا اور آپ میں یہ جذبہ بدرجہ اتم موجود تھا کہ امت تک پہنچا خداوندی زیادہ سے زیادہ پہنچے اور وعظ و تذکیر اس قدر زیادہ ہو کہ ان کے دل کی دنیا بدل جائے۔

لیکن اس کے باوجود آپ امت کی خیر خواہی کو ترجیح دیتے تھے کیونکہ دین خیر خواہی کا نام ہے آپ نے خود ارشاد فرمایا:

الدين النصيحة (مشکوٰۃ المصابیح ص ۴۲۳) دین خیر خواہی ہے

رسول اکرم ﷺ کے اس عمل مبارک اور ارشاد گرامی کے امتزاج حسین کی ضرورت ہے یعنی عبادت اور وعظ و تبلیغ میں کوتاہی بھی نہ برتی جائے اور لوگوں کو پریشان بھی نہ کیا جائے، یہی دین اسلام کا تقاضا ہے کیونکہ دین اسلام فطری دین ہونے کے حوالے سے افراط و تفریط سے پاک ہے۔

شراح بخاری امام ابن حجر عسقلانی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:

اس حدیث سے یہ فائدہ حاصل ہوا کہ عمل صالح میں بھی مداومت (ہمیشہ کرنا) ملال کے ڈر سے ترک کیا جائے۔

اگرچہ (اعمال صالحہ پر) موافقت (تکلفی) مطلوب ہے لیکن اس کی دو قسمیں ہیں:

(۱) یا تو ہر روز عمل کیا جائے لیکن اس میں تکلف نہ ہو۔

(۲) یا ایک دن چھوڑ کر عمل کیا جائے اور یہ چھوڑنا حصول راحت کے لئے ہوگا تاکہ دوسرے دن خوشی خوشی عمل کیا جاسکے۔

یاجعہ کا دن مختص کر دیا جائے اور احوال اور شخصیات کے بدلنے سے حکم بدل جاتا ہے۔ ضابطہ یہ ہے کہ ضرورت و حاجت کا بھی خیال رکھا جائے اور خوش ولی کا لحاظ بھی رکھا جائے۔ (فتح الباری، جلد اول، ص ۲۱۶)

حضرت امام ابن حجر عسقلانی کے ارشاد گرامی کا مقصد یہ ہے کہ وعظ و تبلیغ کی ضرورت کو بھی نظر انداز نہ کیا جائے اور اس بات کا بھی خیال رکھا جائے کہ لوگوں کو تکلیف بھی نہ ہو۔

رسول اکرم ﷺ نے اس بات کو دوسرے انداز میں بھی ارشاد فرمایا، حضرت انس سے مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

يسروا ولا تعسروا و بشروا ولا تنفروا (صحیح بخاری جلد اول ص ۱۶)

"آسانی پیدا کرو اور تنگی نہ کرو (لوگوں کو) خوشخبری دو اور نفرت پیدا نہ کرو۔"

گویا نماز باجماعت کا مسئلہ ہو یا وعظ و تبلیغ کا، اس میں ایسا انداز اختیار نہ کیا جائے کہ لوگ متفرق ہو جائیں۔ اس طرح وہ امام اور مبلغ ذمہ دار ہوگا جس نے ایک ایسے دین سے لوگوں کو دور کیا جس دین میں کشش موجود ہے اور یوں لوگوں کی دین بیزاری کا گناہ اس کے سر ہوگا۔

رسول اکرم ﷺ کی احادیث مبارکہ میں قواعد و ضوابط دیتے گئے ہیں اس لئے ان کی روشنی میں دیگر صورتوں کو بھی پیش نظر رکھنا ضروری ہے۔ مثلاً آپ روزانہ وعظ نہ فرماتے تاکہ لوگ تنگ نہ ہو جائیں تو اس سے یہ بات بھی ثابت ہوتی ہے کہ خطبہ اور وعظ مختصر ہونا چاہیے دو، دو تین، تین گھنٹے کے خطابات پر فخر کا اظہار کیا جاتا ہے لیکن یہ بھی تو مال کی ایک صورت ہے۔

علاوہ ازیں رات گئے تک وقت گزاری کا سلسلہ جاری رہتا ہے اور نعت خوانی اور تکیب محفل کے من گھڑت جملوں سے سمع خراش کی جاتی ہے بلکہ بعض اوقات غیر شرعی الفاظ اور جملوں پر مبنی گردان سے تکیب محفل خود بھی گناہ کا ارتکاب کرتا ہے اور سامعین کو بھی اس گناہ میں شامل کیا جاتا ہے اور اس وقت جب جلسہ کا اختتام ہونا چاہیے تھا مقرر ذی شان تشریف لاتے ہیں اور بعض اوقات وقت کے پابند مقرر کو اس وقت تقریر کی دعوت دی جاتی اور اس سے پہلے نعت خوانان حضرات کی من مانی کارروائی میں تمام وقت صرف ہو جاتا ہے۔

اسی طرح رات کے پچھلے پہر بلکہ صبح تک بھاری بھر کم آواز کے لاؤڈ سپیکر اور مزید برآں خطیب معظم کی اپنی طوفان خیز آواز ان لوگوں کے لئے باعث اذیت ہوتی ہے جو فطری طریقہ پر عمل پیرا ہو کر آرام کر رہے ہوتے ہیں یا اپنے رب کے ہاں سربسجود ہوتے ہیں یا حصول علم میں مصروف ہوتے ہیں۔

ہمارے موجودہ ماحول کا یہ نقشہ ہے جو یقیناً رسول اکرم ﷺ کی تعلیمات کے منافی ہے اس کے باوجود اسے دینی لبادہ پہنا رکھا ہے۔ جس طرح روزانہ وعظ باعث ملال ہے۔ اسی طرح طویل دورانیہ کا وعظ بھی باعث اذیت ہے اور اسی طرح مخلص مسلمانوں کو انتظار کی آزمائش میں ڈالنا بھی تکلیف دہ ہے۔

لہذا اس حدیث پاک کی روشنی میں ہمیں وعظ و تبلیغ کا قبلہ درست کرنا ہوگا اور حقوق اللہ کے ساتھ ساتھ حقوق العباد کا خیال بھی رکھنا ہوگا۔ ورنہ سب کچھ بیکار ہو جائے گا۔

رسول اکرم ﷺ کو رحمۃ اللعالمین کے تاج سے سرفراز کیا گیا حتیٰ کہ آپ کے لائے ہوئے دین کی روشنی میں کتب فقہ سے یہ بات بھی واضح ہوتی ہے کہ سورج گرہن کے موقع پر باجماعت نماز مسنون ہے جبکہ چاند گرہن کے موقع پر جماعت کی بجائے الگ الگ نماز پڑھی جاتی ہے کیونکہ سورج گرہن دن کے وقت ہوتا ہے جب کہ چاند گرہن رات کے وقت ہوتا ہے اور تنہا نماز گھر میں بھی پڑھی جاسکتی ہے۔ مقصد یہ ہے کہ شریعت اسلامیہ میں لوگوں کی مشکلات کا اس حد تک خیال رکھا گیا ہے حتیٰ کہ رسول اکرم ﷺ طویل نماز پڑھانے کی خواہش کے باوجود کسی بچے کے رونے کی آواز سنتے تو نماز مختصر کر دیتے تاکہ اس کی ماں کو جو نماز میں شامل ہے تکلیف نہ ہو۔ لہذا ہمیں رسولوں سے نکل کر دین کی روح کی طرف قدم بڑھانا چاہیے۔



امام ربانی مجدد الف ثانی

شیخ احمد سرہندی

قدس سرہ

علامہ محمد نور بخش آٹو کالی علیہ الرحمۃ

آپ کا نسب شریف حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے بدیں ترتیب ملتا ہے شیخ احمد بن شیخ عبدالاحد بن شیخ زین العابدین بن شیخ عبدالحمید بن شیخ محمد بن شیخ حبیب اللہ بن شیخ رفیع الدین بن شیخ نصیر الدین بن شیخ سلیمان بن شیخ یوسف بن شیخ اسحاق بن شیخ عبداللہ بن شیخ شہیب بن شیخ احمد بن شیخ یوسف بن شیخ شہاب الدین علی الملقب بہ فرخ شاہ بن شیخ نصیر الدین بن شیخ محمود بن شیخ سلیمان بن شیخ مسعود بن شیخ اللہ الواعظ الاصفہانی بن شیخ عبداللہ الواعظ الاکبر بن شیخ ابوالفتح بن شیخ اسحاق بن شیخ ابراہیم بن شیخ ناصر بن شیخ عبداللہ بن امیر المؤمنین عمر فاروق رضی اللہ عنہما جمعین۔

آپ کے اجداد میں سے چند ہوں جد شہاب الدین علی الملقب بہ فرخ شاہ ہیں۔ جو سلاطین کا بل کے بڑے امراء و وزراء میں سے تھے۔ شیخ مدوح پہلے مسلمان امیر ہیں جنہوں نے غزنی و کابل سے ہندوستان میں آ کر دین اسلام کو رواج دیا۔ حضرت شیخ فرید الدین گنگوہی قدس سرہ کا نسب بھی شیخ موصوف سے ملتا ہے۔

حضرت مجدد کے چھٹے جد امجد امام رفیع الدین ہیں جو علم ظاہر و باطن کے جامع تھے۔ آپ کو خلافت سید جلال الدین بخاری معروف بہ مندوم جہانیاں سے ہے۔ آپ پہلے شخص ہیں جنہوں نے ہندوستان میں سکونت اختیار کی۔ شہر سہند کی بنا آپ سے ہوئی جس کی کیفیت اس طرح ہے کہ اس شہر کی آبادی کی جگہ ایک وحشت ناک جنگل تھا جس میں درندے رہا کرتے تھے۔ اس جگہ کا نام ہندی میں سہرند (سہ بمعنی شیر۔ رند بمعنی جنگل) یعنی پشہ شیر تھا۔ اس سرزمین کے نواح میں کوئی شہر نہ تھا۔ صرف ایک سامانہ شہر تھا جو یہاں سے ۴۳ میل پر تھا۔ لوگ وہاں پر خزانہ میں داخل کرنے کے لئے سامانہ جایا کرتے تھے۔ اس لئے اس نواح کی رعایا بالخصوص رعایا براس نے جو یہاں سے چھ سات کوسں تھا، اوج میں جا کر حضرت مجدد جہانیاں کی خدمت میں جو سلطان فیروز شاہ کے مرشد تھے، عرض کیا کہ آپ دہلی تشریف لے جائیں اور سلطان سے درخواست کریں کہ یہاں ایک شہر بنایا جائے۔ اس لئے مجدد جہانیاں اپنے وطن مالوف سے دہلی آئے۔ سلطان نے آپ کا استقبال کیا اور پہلی ہی ملاقات میں منظوری دے دی کہ خلاص مقام پر شہر آباد کیا جائے۔ امام رفیع الدین کا بڑا بھائی خواجہ فتح اللہ جو بادشاہ کا وزیر تھا، اس کام کو انجام دینے کے لئے مقرر ہوا۔ خواجہ موصوف دو ہزار آدمیوں کو ساتھ لے کر وہاں آ کر عمارت کے کام میں مشغول ہوئے۔ پہلے ۱۰۷۰ء میں قلعہ کی بنا اس ٹیلہ پر رکھی جہاں جنگل تھا، مگر ہر روز جتنی دیوار تیار ہوتی ہر روز گری ہوئی نظر آتی۔ جب اس امر کی اطلاع بادشاہ کو ہوئی تو اس نے اس کا علاج سید محمد جہانیاں کے سپرد کیا۔ سید موصوف نے اپنے خلیفہ و امام نماز شیخ رفیع الدین کو جو سنام میں رہا کرتے تھے، حکم دیا کہ تم اپنے ہاتھ سے قلعہ کی بنیاد رکھو اور شہر میں سکونت اختیار کرو، کیونکہ وہاں کی ولایت تمہارے متعلق ہے۔ چنانچہ حضرت امام اس جگہ آئے اور مکاشفہ سے معلوم کیا کہ بادشاہی لوگ ایک خدا دوست شخص کو زبردستی مزدوروں میں شمار کر لیتے ہیں اور وہ رات کو توجہ ڈال کر دیوار گرا دیتا ہے۔ آپ نے منع فرمایا اور اپنے دست مبارک سے بنائے قلعہ کی اینٹ رکھی اور قلعہ اور شہر کی تعمیر حضرت امام کے اہتمام میں انجام کو پہنچی۔ اختتام تعمیر پر حضرت امام نے یہاں کی سکونت اختیار کی۔ منقول ہے کہ حضرت امام کو معلوم ہوا کہ وہ خدا دوست شیخ شرف الدین بونہلی قلندر تھے۔ حضرت امام رفیع الدین قدس سرہ کا مزار مبارک قصبہ سہرند سے باہر قریب ہی اب تک موجود ہے۔ یہ شہر خوب آباد رہا یہاں تک کہ سکھوں نے ۱۷۷۰ء میں تاخت و تاراج کیا اور اب تک ویران پڑا ہے۔

حضرت مجدد کے والد شیخ عبدالاحد آغاز جوانی ہی میں شیخ عبدالقدوس گنگوہی قدس سرہ کی خدمت میں حاضر ہو کر ان کے مرید بن گئے اور ان کی خدمت میں حاضر رہنے کی اجازت طلب کی، مگر انہوں نے اجازت نہ دی، فرمایا علوم دین و شریعت حاصل کر کے آجانا، کیونکہ علم کے بغیر درویشی بے لطف ہے۔ عرض کیا کہ مجھے ڈر ہے کہ علوم دینی کی تکمیل کے بعد آپ کی صحبت کو نہ پاؤں۔ فرمایا، اگر مجھے نہ پاؤ تو میرے فرزند رکن الدین سے حاصل کرنا جو چاہے ہو، اتفاقاً تحصیل علوم سے پہلے ہی حضرت شیخ قدس سرہ نے وصال فرمایا، پس حضرت مجدد علوم دینی کی تحصیل اور بعضے بلاویں کی سیروسیاحت کے بعد شیخ رکن الدین کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ انہوں نے اپنے والد بزرگوار کے اشارے کے موافق حضرت مجدد کی تربیت میں بہت کوشش کی اور خاندان قادر یہ و چشمیہ میں خرقہ خلافت آپ کو عطا کیا اور طالبان خدا کی تربیت و تعلیم کا حکم دیا اور تحریری اجازت نامہ عطا فرمایا جو ہرۃ المقامات میں منقول ہے۔

حضرت مجدد کا انتساب بالقی ہر چہار خاندان سے ہے۔ چنانچہ سلسلہ نقشبندیہ میں آپ مرید و خلیفہ حضرت خواجہ باقی باللہ رحمۃ اللہ علیہ کے ہیں جو مرید و خلیفہ مولانا خواجہ المکنی قدس سرہ کے ہیں اور طریقہ قادریہ میں آپ مرید و خلیفہ شاہ سکندر گنگوہی کے ہیں جو مرید و خلیفہ اپنے جد بزرگوار شاہ کمال کیسقلی متوفی ۱۹ جمادی الاخریٰ ۹۲۱ھ کے ہیں اور خاندان چشمیہ صابریہ و سہروردیہ میں اپنے والد بزرگوار مجدد و عبدالاحد کے ہیں، جو مرید و خلیفہ شیخ المشائخ رکن الدین بن شیخ عبدالقدوس گنگوہی قدس سرہ کے ہیں۔ ان چار سلسلوں کے علاوہ آپ کو دیگر مسائل مثل شطاریہ، مداریہ، کبرویہ کی تعلیم کی اجازت بھی اپنے والد بزرگوار سے حاصل تھی۔

آپ کی ولادت باسعادت شہر سرہند میں شب جمعہ ۱۲ شوال ۹۹۹ھ کو ہوئی۔ آپ کے والد بزرگوار کا بیان ہے کہ آپ کی ولادت سے پہلے میں نے خواب میں دیکھا کہ تمام جہان میں غلٹت پھیل گئی ہے۔ سور، بندر اور ریحچھ لوگوں کو ہلاک کر رہے ہیں۔ اسی اثناء میں میرے سینے سے ایک نور نکلا اور اس میں ایک تخت ظاہر ہوا۔ اس تخت پر ایک شخص تکیہ لگائے بیٹھا ہے اور اس کے سامنے تمام ظالموں، زندلیقوں اور ظہدوں کو بکرے کی طرح ذبح کر رہے ہیں۔ کوئی شخص باوازا بلند کہتا ہے وقل جاء الحق وزهق الباطل ان الباطل كان زهوقا۔ اس خواب کی تعبیر حضرت محمدؐ نے حضرت شاہ کمالؒ کی نقل سے دریافت کی۔ انہوں نے بعد توجہ فرمایا کہ تمہارے ہاں ایک لڑکا پیدا ہوگا جس سے اطاہ و بدعت کی تاریکی دور ہوگی۔ یہ تعبیر بالکل درست نکلی۔

نقل ہے کہ ایک مرتبہ ایام رضاعت میں آپ نہایت علیل ہو گئے۔ آپ کی والدہ ماجدہ آپ کو شاہ کمالؒ کی خدمت میں لے گئیں۔ حضرت شاہ صاحب نے اپنی زبان مبارک آپ کے منہ میں دے دی اور آپ اسے دیر تک چوستے رہے۔ شاہ صاحب نے فرمایا خاطر جمع رکھو۔ یہ لڑکا بڑی عمر کا ہوگا اور عالم عامل اور عارف کامل ہوگا اور میرے تیرے جیسے بہت سے اس سے پیدا ہوں گے۔
تحصیل علوم:

جب آپ سن تعلیم کو پہنچے تو آپ کو مکتب میں داخل کر دیا گیا۔ تھوڑی مدت میں آپ نے قرآن مجید حفظ کر لیا، بعد ازاں اکثر علوم متداولہ آپ نے اپنے والد بزرگوار سے حاصل کئے۔ اس کے بعد آپ سیالکوٹ تشریف لے گئے اور وہاں معقولات کی بعض کتابیں عضدی وغیرہ فاضل محقق مولانا کمال کشمیری سے اور حدیث کی بعض کتابیں مولانا یعقوب کشمیری سے پڑھیں جو مولانا یعقوب نے جو قطب مکرم شیخ حسین خوارزمی کبروی کے اکابر خلفاء میں سے تھے، حرمین شریفین میں جا کر کبار محدثین سے تصحیح حدیث کی ہوئی تھی۔ علاوہ ازیں حضرت مجدد نے تفسیر واحدی و دیگر موافقات و احدی اور تفسیر بیضاوی اور دیگر مصنفاً بخاری و مشکوٰۃ المصابیح و مشکوٰۃ ترمذی و جامع صغیر سیوطی اور تصحیحہ بردہ وغیرہ کی اجازت عالم ربانی قاضی بہلول بدخشانی سے حاصل کی تھی۔ قاضی موصوف کو کتب مذکورہ کی اجازت شیخ عبدالرحمن بن مندب سے تھی جن کا گھر آباد اجداد سے بیت الحدیث چلا آتا تھا، الغرض آپ سترہ سال کی عمر میں علوم ظاہری کی تحصیل کے سبب مرحلے طے کر کے اپنے والد بزرگوار کی خدمت میں حاضر ہو کر تدریس میں مشغول ہوئے اور طلبہ علوم کو اپنی برکات سے بہرہ ور فرماتے رہے۔ اسی اثناء میں آپ نے عربی فاضل رسی میں متعدد رسالے نہایت فصاحت و بلاغت کے ساتھ تحریر فرمائے۔ چنانچہ رسالہ تہلیب، سالہ اثبات نبوت اور رسالہ ردو شیعہ ان ہی رسائل میں سے ہیں۔

تردید شیعہ:

رسالہ ردو شیعہ کی تصنیف کا باعث یہ ہوا کہ عبداللہ خاں اوزبک والہی سمرقند بخارا جو ۹۹۹ھ میں تخت نشین ہوا تھا، خراسان پر حملہ کیا اور نو ماہ کے محاصرے کے بعد ہرات کو ۹۹۳ھ میں فتح کر لیا۔ جب خان مذکور نے خراسان کے مشہور شہر طوس یعنی مشہد مقدس کا محاصرہ کر رکھا تھا تو فقہائے مشہد میں سے ایک نے ایک عرضداشت عبداللہ خاں کی خدمت میں بھیجی جس کا ماحصل یہ تھا کہ رعایاے مشہد تو اکثر حضرت پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ذریت ہیں۔ آپ نے کس دلیل سے مشہد کا محاصرہ اور وہاں کے باشندوں کا قتل اور ان کے مال کا لوٹ لینا جائز رکھا ہے۔ عبداللہ خاں نے وہ تحریر علمائے ماوراء النہر کی خدمت میں پیش کی جو اس محاصرہ میں ہمرکاب تھے۔ اس کے جواب میں علمائے مذکورین نے ایک رسالہ بدیں مضمون لکھا کہ شیعہ کافر ہیں اور ان کا قتل کرنا اور ان کا مال لوٹ لینا مسلمانوں کے لئے مباح ہے۔ اس پر محمد بن فخر الدین علی رستداری شہسی نے جو مشہد میں روضہ مقدس کی خدمت اور تدریس کا منصب رکھتا تھا اس تحریر کے جواب میں ایک رسالہ لکھا جیسا کہ مجالس المؤمنین میں مذکور ہے۔ جب یہ رسالہ شیعہ حضرت مجدد کی خدمت میں پہنچا تو آپ نے اس کا نہایت مدلل و مقبول جواب لکھا۔ ان دنوں میں اہل تشیع ہندوستان میں ارباب حشمت و جاہ تھے اور دربار شاہی میں اقرب تام رکھتے تھے اور بادشاہ وقت بھی دین اسلام اور ارباب دین سے نہایت دشمنی رکھتا تھا۔ ان حالات میں حضرت کا تردید شیعہ میں قلم اٹھانا آپ کی حمیت و غیرت اسلامی کی زبردست دلیل ہے۔

ابوالفضل و فیضی سے ملاقات:

آگرہ کے مشاہیر علماء کا شہرہ سن کر آپ کے دل میں ان حضرات کی ملاقات کا اشتیاق پیدا ہوا، چنانچہ آپ وہاں تشریف لے گئے اور کچھ عرصہ وہیں قیام کیا۔ اس عرصہ میں آپ کو کئی دفعہ ابوالفضل کی مجلس میں حاضر ہونے کا موقع ملا۔ وہ آپ کی خاص رعایت و تعریف کیا کرتا تھا۔ ایک دن اس نے فلاسفہ اور علوم کی توصیف میں نہایت مبالغہ کیا جس میں علمائے دین کی توہین لازم آتی تھی۔ آپ سے یہ کب برداشت

ہو سکتا تھا، فرمایا کہ امام غزالی قدس سرہ تعالیٰ نے رسالہ مستفاد عن الضلال میں لکھا ہے کہ وہ علوم جن کے واسطے فلاسفے اپنے بتاتے ہیں مثلاً ہیبت، نجوم و طیب یہ کتب انبیائے سابقین سے سرتقہ ہیں اور ریاضی وغیرہ جو فلاسفہ کے طبع مزاج ہیں دین میں کس کام آتے ہیں۔ ابو الفضل یہ سن کر خفا ہوا اور کہنے لگا غزالی نے نامعقول کہا ہے۔ حضرت یہ سن کر ناراض ہو گئے اور مجلس سے اٹھ آئے، اٹھتے وقت فرمایا اگر تو ہم سے اہل علم کی صحبت کا ذوق رکھتا ہے تو ایسی دور از ادب باتوں سے زبان کو بند رکھ۔ آپ کئی روز اس کی مجلس میں تشریف نہ لے گئے۔ یہاں تک کہ ایک شخص کو اس نے آپ کی خدمت میں بھیجا اور معافی مانگ کر بلایا۔ ایک روز آپ ابو الفضل کے بھائی فیضی کے ہاں تشریف لے گئے، وہ ان ایام میں اپنی تفسیر بے نقط (مواطع الالہام) لکھ رہا تھا۔ وہ آپ کو دیکھ کر خوش ہوا اور کہنے لگا خوب موقع پڑے، ایک مقام درپیش ہے کہ اس کی تاویل و تفسیر حروف غیر منجمہ میں دشوار ہے۔ میں نے ہر چند دماغ سوزی کی ہے مگر دیکھو عبارت نہیں سمجھتی۔ یہ سن کر آپ نے قلم بردار شدہ اس صفحہ کے مطالب کثیرہ حروف بے نقط میں کمال بلاغت میں تحریر فرمائے کہ جس سے فیضی حیران رہ گیا۔ اس واقعہ سے آپ کی زبردست علمی قابلیت ظاہر ہے۔

فرزند دلہند کی دوری والد بزرگوار پر ناگواری گذری، اس لئے وہ شوق دیدار میں آگرہ پہنچے اور آپ کو ہمراہ لے کر وطن مالوف کی طرف روانہ ہوئے۔ راستے میں بمقام تھامینسر، وہاں کے رئیس شیخ سلطان کی صاحبزادی سے آپ کا عقد نکاح ہو گیا۔ وطن میں پہنچ کر آپ نے سلوک طریقہ تصوفیہ میں قدم رکھا اور اپنے والد بزرگوار کی صحبت میں بہت سے فوائد باطنی حاصل کئے، چنانچہ آپ رسالہ مہدو معابد میں لکھتے ہیں:-
 ”اس درویش کو اصل نسبت فردیت کہ جس سے عروج خیر خصوص ہے اپنے والد بزرگوار سے حاصل ہوئی تھی اور والد بزرگوار کو ایک بزرگ (شاہ کمال کہتے تھے علیہ الرحمۃ) سے ہاتھ لگی تھی، جو جذبہ قوی رکھتے تھے اور خوارق میں مشہور تھے نیز اس درویش کو عبادات نافلہ باخضوص ادائے نماز نافلہ کی توفیق اپنے والد بزرگوار سے ہے اور والد بزرگوار کو یہ سعادت اپنے شیخ (رکن الدین بن شیخ عبدالقدوس گنگوہی علیہ الرحمۃ) سے حاصل ہوئی تھی جو سلسلہ چشتیہ میں تھے“
 ان ہی ایام میں ایک مرتبہ آپ بیمار ہو کر بہت کمزور ہو گئے۔ آپ کی حالت دیکھ کر آپ کی اہلیہ بیقرار ہو گئی اور اس نے دکاندار کے رو کر آپ کی صحت کے لئے دعا کی۔ اسی حال میں اسے نیند آگئی۔ خواب میں دیکھتی ہے کہ ایک شخص کبہ رہا ہے۔ تسلی رکھا! ہمیں ان سے بڑے کام لینے ہیں، جن میں سے ہزار میں سے ایک بھی ظہور میں نہیں آیا۔ چنانچہ آپ جلد ہی تندرست ہو گئے اور اس معاملہ کے تھوڑی مدت بعد حضرت خواجہ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔

پیر سے بیعت اور تعلم و تلقین:

حضرت شیخ کوچ بیت اللہ شریف اور زیارت روضہ مقدسہ رسول اکرم ﷺ کا شوق مدت سے دامن گیر تھا، مگر اپنے والد ماجد کی کبرنی کے سبب سے اس ارادے کو ملتوی رکھا ہوا تھا۔ آپ کے والد نے ۲۷ جمادی الاخرے ۱۰۹۰ھ میں اسی سال کی عمر میں وصال فرمایا، اس لئے انتقال کے دوسرے سال آپ حج کے ارادے سے روانہ ہوئے، راستے میں جب دہلی پہنچے تو مولانا حسن کشمیری نے جو آپ کے دوستوں میں سے تھے، حضرت خواجہ باقی باللہ کی بہت تعریف کی اور ان سے ملنے کی ترغیب دی، چونکہ آپ کو نسبت تفتیشیہ یہ عالیہ کا شوق پہلے سے تھا۔ اس لئے آپ حضرت خواجہ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ وہ مہربانی سے پیش آئے، اور آپ کا ارادہ تصدق دریافت کیا۔ آپ نے اپنا عزم ظاہر کیا۔ حضرت خواجہ کا شیوہ یہ نہ تھا کہ کسی طالب کو پدائت خود اپنے آپ اخذ طریقہ کا اشارہ کریں یا ایسے سفر مبارک سے روک کر اپنی خانقاہ میں سکونت کے لئے ارشاد فرمائیں، مگر چونکہ اس شہباز بلند پر داز کی قابلیت و استعداد بلند پر نظر عالی تھی، اس لئے اپنی عادت سے تجاوز کر کے فرمایا کہ اگرچہ تم سفر مبارک کا ارادہ رکھتے ہو لیکن کچھ مدت کم سے کم ایک ماہ یا ایک ہفتہ فقراؤ کی صحبت میں رہو تو کیا حرج ہے، حسب الارشاد آپ نے ایک ہفتہ کا قیام اختیار فرمایا۔ ابھی دوروز بھی نہ گذرے تھے کہ حضرت خواجہ کے کشش و تصرف سے آپ پر اخذ طریقہ تفتیشیہ کا شوق غالب ہوا۔ آپ نے حضرت خواجہ سے عرض کیا۔ حضرت خواجہ نے فی الفور بغیر استعارہ کے داخل طریقہ کر لیا اور خلوت میں لے جا کر توجہ شروع کی۔ چنانچہ اسی وقت آپ کا دل ذکر ہو گیا اور حلاوت و اللہ اذ پید ہوا اور روز بروز ترقیات و عروجات ظاہر ہونے لگے۔

ان ایام میں ایک روز حضرت خواجہ نے آپ کے رشد و ارشاد اور بلند استعداد کو دیکھ کر آپ کو خلوت میں طلب کیا اور وہ وقائع بیان کئے جو اس سے چند سال پیشتر آپ کے علو حال و کمال کی نسبت معائنہ کئے تھے از آنجملہ ایک یہ تھا کہ آپ نے فرمایا کہ جب میرے خمدوم مولانا خواجہ اکتلی قدس سرہ نے مجھے حکم دیا کہ تم ہندوستان میں جاؤ تاکہ یہ سلسلہ شریف تمہارے ذریعہ سے وہاں جاری ہو جائے تو میں نے اپنے تئیں اس خدمت کے لائق نہ سمجھا کر عذر کیا۔ آپ نے استعارہ کے لئے فرمایا۔ میں نے استعارہ میں دیکھا کہ گو یا ایک طولی شاخ پر بیٹھا ہے۔

میں نے اپنے دل میں نیت کی کہ اگر وہ طوطی شاخ سے اٹھ کر میرے ہاتھ پر بیٹھ جائے تو میرے لئے اس سفر میں بہت سے فوٹو کھابہ دل گئے۔ اس خیال کا آنا تھا کہ طوطی اٹھ کر میرے ہاتھ پر آ بیٹھا اور میں نے اپنا لعاب دہن اس کے من میں ڈالا اور اس طوطی نے میرے من میں شکر ڈالی۔ دوسرے روز میں نے یہ واقعہ حضرت مولانا خواجہ کی خدمت میں عرض کیا۔ آپ نے فرمایا کہ طوطی ہندوستان کا جانور ہے۔ ہندوستان میں تمہارے دامن برکت سے ایک بزرگ کا ظہور ہوگا جس سے ایک جہان روشن ہو جائے گا اور تم بھی اس سے بہرور ہو گے۔ یہ واقعہ بیان کر کے حضرت خواجہ نے آپ سے فرمایا کہ حضرت مولانا کا اشارہ تمہاری طرف تھا۔ دوسرا واقعہ یہ ہے کہ آپ سے فرمایا کہ جب میں حضرت مولانا خواجہ قدس سرہ سے رخصت ہو کر ہندوستان میں آیا اور تمہارے شہر سرہند میں پہنچا تو واقعہ میں مجھے بتایا گیا کہ تم قطب کے پڑوس میں آ رہے ہو اور اس قطب کے حلیہ سے بھی اطلاع بخشی گئی۔ صبح کو اٹھ کر میں شہر کے درویشوں اور گوشہ نشینوں کی ملاقات کے لئے گیا لیکن کسی کو اس حلیہ کے مطابق نہ پایا اور نہ کسی سے خلیب کے آثار نظر آئے میں نے خیال کیا کہ شہر والوں میں سے کسی میں قطبیت کی قابلیت ہوگی کہ جس کا ظہور بعد میں ہوگا، مگر جس روز میں نے تم کو دیکھا، تمہارا حلیہ اس حلیہ کے مطابق پایا اور اس قابلیت کا نشان بھی تم میں دیکھا گیا۔ حضرت خواجہ نے یہ بھی فرمایا کہ واقعہ میں دیکھا گیا کہ میں نے ایک بڑا چراغ جلا یا ہے، جس کی روشنی ساعت بساعت بڑھتی جاتی ہے اور لوگوں نے اس چراغ سے بہت سے چراغ روشن کر لئے ہیں، میں جو سرہند کے نواح میں پہنچا تو وہاں کے جنگل و صحرا کو شعلوں سے پر پایا۔ اس بات کو بھی میں نے تمہارے معاملہ کی طرف اشارہ سمجھا۔ حاصل کلام یہ کہ خدا تعالیٰ کی عنایت اور حضرت خواجہ کی تربیت کی برکت سے جو کچھ حضرت شیخ نے دو تین ماہ میں حاصل کیا وہ بیان میں نہیں آ سکتا۔ ایک طالب کی ترغیب کے لئے خود حضرت شیخ نے اس کا ذکر بطریق اجمال اپنے مکتوبات (دفتر اول۔ مکتوب ۲۹۰) میں کیا ہے۔ جسے ہم خوف طوالت یہاں نقل نہیں کرتے۔

حضرت خواجہ نے کئی بار فرمایا ہے کہ شیخ احمد کی سرعت سیر کا سبب یہ ہے کہ وہ محبوب و مراد ہیں۔ حضرت شیخ کو حضرت خواجہ کی خدمت میں کچھ بہت دن نہ گزرے تھے کہ حضرت خواجہ نے اپنے ایک ظلم کو خط میں یوں لکھا۔

”شیخ احمد نام کا ایک شخص سرہند کا رہنے والا کثیر العلم اور قوی العلم ہے۔ وہ چند روز فقیر کی صحبت میں رہا۔ اس کے بہت سے عجیب حالات دیکھنے کو آئے۔ وہ ایسا نظر آتا ہے کہ ایک چراغ ہوگا جس سے جہان کے جہان روشن ہو جائیں گے۔ الحمد للہ اس کے احوال کا ملہ میرے نزدیک یقینی ہیں، اس شیخ مشار الیہ کے بھائی اور قریبی رشتہ دار ہیں جو سب نیک اور طبقہ علماء سے ہیں۔ جو اہر عالیہ سے سمجھ کر کئی سے میں نے ملاقات کی، عجیب ایانت رکھتے ہیں۔ اس شیخ کے بیٹے جو ابھی بچے ہیں اسرار الہی سے ہیں۔ حاصل کام شجرہ طیبہ ہیں۔ اللہ اس اچھی طرح نشوونما دے اور فقراے باسب الہی ہیں اور عجیب دل رکھتے ہیں“ (زبدۃ المقامات)

غرض کہ حضرت خواجہ نے خدا کا شکر ادا کیا کہ اس نے ایسا بلند استعداد مستر شد آپ کی خدمت میں بھیجا۔ جو آپ کی نظر تربیت کی برکت سے تھوڑے ہی عرصہ میں درج کمال و تکمیل کو پہنچ گیا اور حضرت شیخ کو اجازت کا ملہ کا خلعت پہنا کر وطن مالوف یعنی سرہند کو روانہ کر دیا اور اپنے طالبوں کی ایک جماعت ان کی خدمت میں متعین کر دی۔

حضرت شیخ وطن میں پہنچ کر حسب الارشاد طالبوں کی تربیت میں مشغول ہوئے اور تھوڑی مدت میں ایک بڑی جماعت کو اپنے فیوضات کے چشمہ سے شاداب کر دیا۔ اسی اثناء میں آپ کی بلند ہمت حاصل شدہ کمال کو قلیل خیال کر کے عروج کی خواہاں ہوئی اور طالبوں کی تربیت سے کنارہ کشی کر کے عزالت کی طرف مائل ہوئی، مگر اللہ تعالیٰ نے وہ مطلب جسے آپ عزالت میں حاصل کرنا چاہتے تھے شخص اپنے کرم سے عطا فرمایا اور آپ پھر افانہ طلب میں مشغول ہو گئے چنانچہ آپ اپنے ایک مکتوب میں یوں تحریر فرماتے ہیں:-

”جب حضرت خواجہ نے مجھے کامل تکمیل سمجھ کر تعلیم طریقت کی اجازت دے دی اور طالبوں کی ایک جماعت میرے سپرد کر دی اس وقت مجھے اپنے کمال و تکمیل میں کچھ تردد و فہارہ فرمایا یہ تردد کامل نہیں کیونکہ مشائخ عظام نے ان مقامات کو کمال و تکمیل کا مقام بتایا ہے۔ اگر اس مقام میں کچھ تردد پیدا ہو جائے تو ان مشائخ کی کمابرت میں شک لازم آئے گا۔ میں نے حسب الارشاد طریقت کی تعلیم شروع کر دی اور طالبوں کے کام میں توجہات ہندول کیں۔ مریدوں میں بڑے اثر محسوس ہوئے یہاں تک کہ سالوں کا کام گھڑیوں میں آ گیا۔ کچھ مدت اس کام میں سرگرم رہا۔ آخر کار پھر اپنے ناقص ہونے کا علم پیدا ہوا اور ظاہر کیا گیا کہ تجلی ذاتی برقی جس کو اکابر مشائخ نے نہایت بتایا ہے وہ اس راہ میں پیدا نہیں ہوئی اور یہ بھی معلوم نہ ہوا کہ سیرانی اللہ اور سیرانی اللہ کیا ہے؟ لہذا اس قسم کے کمالات کا حاصل کرنا ضروری ہے۔ اس وقت اپنے ناقص ہونے کا علم دلائل قاطعہ سے ثابت ہو گیا۔ طالبان خدا جو میرے گرد تھے میں نے ان کو جمع کر کے اپنے ناقص ہونے کا حال بیان کیا اور سب

حضرت نے بیدار ہو کر آواز دی کہ دروازے کے باہر کون ہے؟ حضرت خواجہ نے نہایت ادب سے کہا کہ فقیر محمد بائی ہے۔ یہ سن کر حضرت اپنی چارپائی سے اظہراب کی حالت میں اتر کر باہر آئے اور نہایت نیاز مندی و انکسار سے حضرت خواجہ کی خدمت میں بیٹھ گئے، غرضیکہ وہ صحبت و معاملہ جوان دونوں بیرومرید کے درمیان ظہور میں آیا ہے موجب حیرت اور عجاب روزگار سے ہے۔ کسی نے دیکھا تو کیا ایسا سنا بھی کم ہوگا۔ حضرت خواجہ نے فقرات مدحہ جو حضرت شیخ کی شان میں فرمائے ہیں وہ تحریر میں نہیں آسکتے۔ ایک روز فرمایا کہ آپ کامل مردوں اور محبوبوں میں سے ہیں۔ دوسرے موقع پر فرمایا کہ آج آسمان کے نیچے صوفیائے کرام میں سے کوئی آپ جیسا نہیں۔ ایک دفعہ فرمایا کہ صحابہ اور کامل تابعین و مجتہدین کے بعد انھیں خاص میں سے گنتی کے چند آپ جیسے نظر آتے ہیں۔ حضرت خواجہ بی کا ارشاد ہے کہ ان تین چار سالوں میں ہم نے مشیت نہیں کی، بلکہ چند روز کھیل کھیلایا ہے۔ سو الحمد للہ المرنہ کہ ہمارا یہ کھیل اور یہ دوکانداری رایگان نہیں گئی کہ جس سے ایسا شخص ظاہر ہو گیا۔ خود حضرت شیخ کی زبانی سنا گیا کہ طالبوں کی تربیت میں حضرت خواجہ قدس سرہ کی سرگرمی اس وقت تک تھی کہ میرا معاملہ انتہا کونہ پہنچتا تھا۔ جب میرے کام سے فارغ ہو گئے تو دیکھا گیا کہ آپ نے اپنے تئیں مشیت کے کام سے ہٹا لیا اور طالبوں کو میرے حوالے کر کے فرمایا کہ ہم اس بیچ کو بخارا اور سمرقند سے لائے اور ہند کی برکت والی زمین میں بودیا۔ حضرت خواجہ نے آخر کار یہ بھی فرمایا ہے کہ فلاں (حضرت شیخ احمد) کی صحبت کے اثر سے اخیر میں معلوم ہوا کہ توحید نگاہ کو چہ ہے اور اس سے اوپر وسیع شاہراہ ہے۔

تیسری دفعہ جب حضرت شیخ وطن واپس تشریف لائے تو اس کے بعد حضرت خواجہ سے آپ کی ملاقات نہیں ہوئی۔ سر ہند میں آپ نے چند روز قیام کیا پھر لاہور تشریف لے گئے، وہاں کے اصناف و اکابر نے آپ کی تشریف آوری کو غنیمت سمجھا اور خواص و عوام میں سے بہت سے لوگ داخل طریقہ ہوئے اور بڑی سرگرمی سے ہر جگہ حلقہ و شغل و مراقبہ ہونے لگا۔

قیام لاہور کے اثنا میں ایک روز مولانا جمال کموی رحمۃ اللہ نے آپ سے سوال کیا کہ آپ جامع علوم ظاہری و باطنی ہیں۔ مسئلہ وحدت وجود میں جو باہر شرع سے چنداں موافقت نہیں رکھتا اور بہت سے اولیائے کاملین کا مشرب ہے آپ کیا فرماتے ہیں۔ اس پر آپ نے مولانا کے کان میں چند کلمے کہے جن کو مولانا کی آنکھ سے آنسو ٹپک پڑے اور ارباب حال کی طرح ان کے چہرے پر تعجب پیدا ہو گیا اور مولانا آپ کے زانو پر ہاتھ لگا کر اسی حالت میں بانکسار تمام رخصت ہوئے۔ کسی کو معلوم نہ ہو کہ حضرت نے کیا ارشاد فرمایا اور مولانا نے کیا سنا۔

ندانم چہ حقیقی
کہ حقیقی و از دیدہ خوں رختی

حضرت شیخ کے اصحاب میں سے ایک نے صاحب زبدۃ المقامات سے بیان کیا کہ حضرت نے فرمایا کہ اوائل میں جب نسبت احاطہ و سر بیان و معیت کا غلبہ تھا ایک روز کسی نے میرے سامنے قلم و قتل لگایا تو میری انگلی کٹ گئی۔

قصہ کو تاہ جب لاہور میں ارباب فضل کے ساتھ صحبت گرم تھی۔ ناگاہ حضرت خواجہ بزرگوار کے انتقال کی خبر پہنچی۔ آپ بحالت اظہراب و بلی کو روانہ ہوئے اور وہاں پہنچ کر روضہ مقدس کی زیارت اور صاحبزادگان اور بیوہ بھائیوں کی ماتم پرسی کی۔ حضرت خواجہ کے اصحاب آپ کے حلقہ میں بدستور سابق حاضر ہوتے۔ حسب وصیت بیوہ بزرگوار آپ بھی ان کی طرف صدق دل سے متوجہ ہوتے۔ آپ کی توجہات سے وہی باطنی طراوت و تازگی نظر آنے لگی جو حضرت خواجہ کی حیات میں تھی مگر بعض اصحاب نے ازراہ حسد آپ کی مخالفت شروع کی۔ حضرت شیخ نے ان کے شکوک و شبہات کے دفعیہ کے لئے بہت کچھ نصیحت فرمائی مگر سوسمندانہ ہوئی۔ آپ نے بعضوں کی نسبتیں بھی سلب فرمائیں، مگر وہ براہ راست نہ ہوئے، بلکہ سب جمع ہو کر حضرت خواجہ کے روضہ پر گئے اور توجہ و التجا بہالائے ان میں سے ایک صاحب کشف بھی تھے۔ انہوں نے دیکھا کہ ان درویشوں میں سے ہر ایک نے چراغ جلا لیا ہے۔ ایک چمکتی ہوئی بجلی آئی اور اس نے سب کے چراغوں کو گل کر دیا۔ وہ چراغ ان درویشوں کی دعا و توجہ تھی اور چمکتی بجلی حضرت شیخ کی توجہ عالمی تھی۔ ہاں بعد انہوں نے آپ کی طرف جیسا کہ استفاضہ کے لئے چاہیے رجوع نہ کیا اور حضرت وطن کو تشریف لے آئے۔ کچھ عرصہ کے بعد انہوں نے متوجہ ہو کر آپ سے معافی مانگی، آپ نے براہ کرم معاف فرمایا۔ اس کے بعد حضرت شیخ ماہ جمادی الاخرے میں حضرت خواجہ قدس سرہ کے عرس پر دہلی حاضر ہوتے اور چند روز ٹھہر کر سر ہند واپس آجاتے۔ دو تین مرتبہ آگرہ جانے کا بھی اتفاق ہوا۔ باقی تمام وقت سر ہند ہی میں قیام پذیر رہے۔ ہاں اخیر عمر میں کئی سال سلطان وقت کی مزاحمت کے سبب سے لشکر شاہی کے ساتھ بعضے شہروں میں جانا پڑا جیسا کہ آگے بیان ہوگا۔

فضائل و مکاشفات:

(۱) علامہ سیوطی نے جنح الجوامع میں یہ حدیث نقل کی ہے۔ قال النسبی صلی اللہ علیہ وسلم یكون فی امتی رجل ینقال لہ

صلۃ ید خصل الجنة بشفا عنہ کذا و کذا۔ یعنی فرمایا نبی کریم ﷺ نے کہ میری امت میں ایک شخص ہوگا جسے صلہ کہا جائے گا۔ اس کی شفاعت سے اتنے اچھے مسلمان بہشت میں داخل ہوں گے۔ یہ حدیث گویا حضرت شیخ رحمہ اللہ کے وجود مسعود کی طرف اشارہ ہے اور آپ خود یوں فرماتے ہیں:

”میں اپنی پیدائش سے مقصود جو کچھ سمجھتا تھا معلوم ہوا کہ وہ حاصل ہو گیا اور مسئول ہزار سالہ قبول ہو گیا۔ ہر حال میں اکمل حمد اس خدا کے لئے ہے جس نے مجھے دو مسندوں کو ملانے والا (صلہ) اور دو گروہوں میں صلح کروانے والا بنایا اور دو دو سلام ہو حضرت خیر الانام پر اور ان کے برادران کرام انبیاء و ملائکہ عظام پر“ (مکتوبات: دفتر دوم۔ مکتوب: ۶)

حضرت شیخ کے ارشاد میں دو مسندوں سے مراد شریعت و طریقت اور گروہوں سے مراد علماء و صوفیہ کرام ہے واللہ اعلم بالصواب (۲) صاحب حضرات القدس نے لکھا ہے کہ میں نے مقامات شیخ الاسلام شیخ احمد جام قدس سرہ میں لکھا دیکھا ہے انہوں نے فرمایا کہ میرے بعد سترہ آدمی میری مثل اور میرے ہم نام ظاہر ہوں گے اور ان میں اخیر شخص بعثت نبوی ﷺ سے ہزار سال بعد ظاہر ہوگا اور وہ ان میں سب سے بڑا بزرگ ہوگا۔ یہ پیش گوئی حضرت محمد ﷺ پر صادق آتی ہے۔ جو بشارات حضرت شیخ کی نسبت حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہ کی زبان مبارک سے صادر ہوئیں وہ پہلے بیان ہو چکی ہیں۔ ان کے اعادہ کی یہاں ضرورت نہیں۔

(۳) حضرت شیخ جناب سرور کائنات علیہ الصلوٰت و التسلیٰات کی طینت (خمیر جسم اطہر) کے بقیہ سے پیدا ہوئے تھے۔ چنانچہ اس امر کی طرف آپ خود یوں اشارہ فرماتے ہیں:

”سنئے سنئے۔ اگرچہ اس دولت خاصہ محمدی (یعنی حضرت ﷺ کی خلقت کا ظہور نفس اسم الہی ہونا) میں کسی دوسرے کو شرکت نہیں۔ مگر فقیر اس قدر معلوم کرتا ہے کہ آنحضرت ﷺ کی اس دولت خاصہ سے آپ کی تخلیق و تکمیل کے بعد بقیہ رہ گیا تھا کیونکہ خلیوں کی حیثیت کی دولت کے خوان میں زیادتیاں ضرور ہوا کرتی ہیں۔ جو بصورت اش نوکروں کے نصیب ہوتی ہیں۔ وہ بقیہ آنحضرت ﷺ کی امت کے دو امتدادوں میں سے ایک کو بطور اش عطا کیا گیا ہے اور اس کو خمیر مانع بنا کر اس امتی کی طینت میں گوندھا گیا ہے اور اسے جمعیت و وراثت کے طور پر آنحضرت ﷺ کی دولت خاصہ میں شریک کیا گیا ہے۔ باکہ یہاں کار با و شوار نیست یہ بقیہ حضرت آدم علی نبینا وعلیہ الصلوٰت و السلام کی طینت کے بقیہ کی مانند ہے جو درخت خرما کی خلقت کے نصیب ہو گیا ہے۔ چنانچہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے۔ احو مو اعمتکم التحلۃ فانھا خلقت من طینۃ آدم ہاں خلیوں کے پیالہ میں سے زمین کو حصہ ملا کرتا ہے“۔ (مکتوبات، دفتر سوم، مکتوب: ۱۰۰)

ایک بزرگ نے کیا خوب کہا ہے:

نے نے ترا ز بت بیژب گرفتہ اند

پنہاں ز شام و روم بہ سر بند ہشتہ اند

حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ ممکن ہے کہ بعض اولیاء اللہ بعض پیغمبروں کی طینت کے بقیہ سے پیدا ہوئے ہوں اور رسول اکرم ﷺ کی طینت کے بقیہ سے بھی پیدا ہوئے ہوں۔ اس کے بعد بعنوان سوال لکھا ہے کہ یہ بات تو عقل میں نہیں آتی، کیونکہ ہر شخص اپنے والدین کے نطفہ سے پیدا ہوتا ہے۔ اس سوال کے جواب میں لکھتے ہیں کہ اکثر چیزیں ایسی ہیں جو انسان کی عقل سے ثابت نہیں ہوتیں، مگر شریعت سے ثابت ہوتی ہیں یا کشف و الہام سے، مثلاً نفس و ولایت جس سے مراد قرب الہی ہے۔ امام غنی اللہ بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے تفسیر معالم التنزیل میں آیت کریمہ ”منہا خلقنکم و فیہا نعیدکم و منہا نخو حکم تارۃ اخریٰ کی تفسیر میں عطاے خراسانی کا یہ قول ذکر کیا ہے کہ نطفہ جو رحم میں قرار پکڑتا ہے، فرشتہ کچھ خاک اس مکان سے لاتا ہے جس میں وہ دفن کیا جائے گا اور اس نطفہ میں ڈال دیتا ہے، پس آدمی خاک و نطفہ سے پیدا ہوتا ہے اور خطیب نے بروایت ابن مسعود ﷺ ذکر کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

ما من مولود الا فی سرته الترابۃ النبی یولد منہا فاذا دالنی ارضل عمرہ رد الی تربتہ النبی خلق منہا و دفن

فیہا و انی و ابا بکر و عمر خلقنا من تربتہ و احدۃ و فیہا ندفن

”نہیں کوئی مولود مگر یہ کہ اس کی ناک میں وہ خاک ہے کہ جس سے پیدا ہوتا ہے پس جب وہ ارضل عمر یعنی موت کے وقت پر پہنچتا ہے تو اسی خاک میں لوٹایا جاتا ہے کہ جس سے پیدا ہوا تھا اور اسی میں دفن ہوتا ہے اور تحقیق میں اور ابو بکر و عمر ایک خاک سے پیدا ہوئے ہیں اور اسی میں دفن ہوں گے“۔

میرزا محمد بدخشانی علیہ الرحمہ نے کہا ہے کہ اس حدیث کے شواہد ہیں بروایت ابن عمر و ابن عباس (ابو سعید و ابو ہریرہ رضی اللہ عنہم) جہا ایک

دوسرے کوفوت دیتے ہیں۔ شرح صحیح بخاری میں کتاب البیضاء میں ابن سیرین کا یہ قول مذکور ہے کہ اگر میں تمہیں کھاؤں تو سچا ہوں اور مجھے شک نہیں کہ رسول اللہ ﷺ اور ابو بکر اور عمر رضی اللہ عنہم ایک خاک سے پیدا ہوئے ہیں اور رسول اللہ ﷺ نے حضرت عبداللہ بن جعفر سے فرمایا کہ تو میری خاک سے پیدا ہوا ہے اور تیرا باپ فرشتوں کے ساتھ آسمان میں پرواز کرتا ہے اور جانتے ہے کہ وہ خاک جو حق تعالیٰ نے کسی پیغمبر کے لئے مہیا کی ہو اور آواز پیدا آتش سے اس کی زمین کو انوار برکات و نزول رحمت سے پرورش کیا ہو اس میں سے کچھ بقیہ رہ جائے جو اولیاء اللہ میں سے کسی شخص کا خیر مایہ ہے۔ یہ امر از روئے عقل محال نہیں اور شروع سے مستفاد اور کشف سے ثابت ہے اور اس کو اصطلاح میں اصالت کہتے ہیں۔ (ارشاد الطالین)

(۴) حضرت شیخ مجدد الف ثانی تھے۔ یعنی سنہ ہجرت کے حساب سے دوسرے ہزار سال کے مجدد تھے۔ چنانچہ آپ سیادت مآب میر محمد نعمان کو یوں تحریر فرماتے ہیں:

”بین الملتین اور حق البینین کی نسبت کیا کہوں۔ اگر کہوں تو کون کبھے گا۔ یہ معارف ولایت کے اعطایے سے خارج ہیں۔ ارباب ولایت مثل علمائے ظہور کے ان کے کبھنے میں عاجز ہیں اور اس کی دریافت میں قاصر ہیں۔ یہ علوم انوار نبوت کی مشکوٰۃ سے اقتباس کئے گئے ہیں (ارباب نبوت پر درود و سلام و تحیہ ہو) جو الف ثانی (دوسرے ہزار) کی تجدید کے بعد جمعیت اور وراثت سے تازہ ہوئے ہیں اور تہ تازگی کے ساتھ ظہور میں آئے ہیں۔ ان علوم و معارف کا صاحب اس موجودہ الف کا مجدد ہے۔ چنانچہ جو لوگ اس کے ان علوم و معارف کو دیکھتے ہیں جو ذات و صفات و افعال اور احوال و مواجہد و تجلیات و ظہورات کے متعلق ہے۔ ان پر یہ امر پوشیدہ نہیں اور وہ جانتے ہیں کہ یہ علوم و معارف علماء کے علوم اور اولیاء کے معارف سے پرے کے ہیں۔ بلکہ علماء و اولیاء کے علوم ان علوم کی نسبت پوست ہیں اور یہ معارف اس پوست کا مغز ہیں۔ اللہ پاک ہادی ہے اور مطہم ہے کہ ہر صدی کے سر پر ایک مجدد و گزرا ہے۔ لیکن صدی کا مجدد اور ہے اور الف (ہزار) کا مجدد اور سوار ہزار میں جتنا فرق ہے اتنا ہی بلکہ اس سے بھی زیادہ ان کے مجددوں میں بھی فرق ہے۔ مجدد وہ ہوتا ہے کہ اس مدت میں جو فیوض امتوں کو پہنچتے ہیں خواہ وہ اس وقت کے اقطاب و اوتاد اور بدلا و نجا ہوں، اسی کی وساطت سے پہنچتے ہیں۔

خاص کتب بندہ مصلحت عام را۔

”خدا مصلحت عام کے لئے کسی بندے کو مخصوص کر دیتا ہے۔“ (مکتوبات، دفتر دوم، مکتوب ۴)

ایک اور مکتوب میں جو آپ نے اپنے بڑے صاحبزادے خواجہ محمد صادق کے نام لکھا ہے اپنی تجدید کی طرف یوں اشارہ کیا ہے:

”اے فرزند! اب وہ وقت ہے کہ پہلی امتوں میں ایسے وقت میں جو تاریکی سے پر ہے اور اولو العزم پیغمبر مبعوث ہوا کرتا تھا اور وہ نئی شریعت کو زندہ کیا کرتا تھا۔ اس امت میں جو تیرا الام ہے اور جس کے پیغمبر خاتم المرسلین ہیں، علماء کو جنی اسرائیل کے پیغمبروں کا مرتبہ دیا گیا ہے اور انبیاء کے وجود سے صرف علماء کے وجود پر اکتفاء کیا گیا ہے۔ اس لئے ہر صدی کے سر پر اس امت کے علماء میں سے ایک مجدد متعین ہوتا ہے جو شریعت کو زندہ کرتا ہے۔ بالخصوص ہزار سال گذرنے کے بعد، جو پہلی امتوں میں اولو العزم پیغمبر کے مبعوث ہونے کا وقت تھا اور اس وقت ہر پیغمبر پر اکتفاء کیا جاتا تھا۔ ایسے وقت میں ایک عالم عارف نام المعروف درکار ہے۔ جو پہلی امتوں کے اولو العزم پیغمبر کا قائم مقام ہو۔

فیض روح القدس او باز مدد فرماید

دیگراں ہم بکندہ آنچا میسماے کرے کر

اگر روح القدس کا فیض پھر مدد فرمائے، تو دوسرے بھی وہ کر دکھائیں جو حضرت مسیح کیا کرتے تھے۔

سیادت مآب میر محمد نعمان کو ایک مکتوب میں یوں لکھتے ہیں:

”اس امت کی آخریت کا آغاز جناب سرور کائنات علیہ وعلیٰ والصلوٰۃ والسلام کی وفات شریف سے دوسرے ہزار سال کے شروع سے ہیں۔ کیونکہ ہزار گزرنے کو تغیر امور میں بڑی خاصیت اور تبدیلی اشیاء میں زبردست تاثیر ہے، چونکہ اس امت میں نسخ و تبدیلی نہیں، اس لئے سابقین کی نسبت اسی تہ تازگی سے متاخرین میں جلوہ گرہوئی ہے اور شریعت کے تائید اور ملت کی تجدید دوسرے ہزار میں کی گئی ہے۔ اس بات کے سچے گواہ حضرت علی بن علی بن ابی طالب علیہ الصلوٰۃ والسلام اور حضرت مہدی علیہ الرضوان ہیں۔

فیض روح القدس ار باز مدد فرماید

دیگراں ہم بکندہ آنچا میسماے کر

بھائی جان! یہ بات آج اکثر لوگوں پر ناگوار اور ان کی سمجھ سے دور ہے لیکن اگر وہ انصاف سے کام لیں اور ایک دوسرے کے علوم

ومعارف کا مقابلہ کریں اور احوال کے صحت و سقم کو علوم شریعہ کی کسوٹی سے پرکھیں اور دیکھیں کہ شریعت اور نبوت کی تعظیم و توقیر کس میں زیادہ ہے تو شاید اس بات کو بعید سمجھنے سے باز آجائیں۔ آپ نے دیکھا ہوگا کہ فقیر نے اپنی کتابوں اور رسالوں میں لکھا ہے کہ کمالات و ولایت کو کمالات نبوت سے کوئی نسبت نہیں۔ کاش دریائے محیط سے ایک قطرہ کی نسبت رکھیں۔ اس طرح کی باتیں بہت لکھیں ہیں خصوصاً اس مکتوب (دفتر اول مکتوب ۲۶۰) میں جو میں نے اپنے فرزند محمد صادق کے نام لکھا ہے وہاں ملاحظہ فرمائیں۔ اس گفتگو کے مقصود حضرت حق سبحانہ کی نعمت کا اظہار اور اس طریقیت کے طالبوں کی ترفیہ ہے، نہ کہ دوسروں پر اپنے آپ کو فضیلت دینا۔ خدا جل جلالہ کی معرفت اس شخص پر حرام ہے۔ جو اپنے تئیں کافر فرنگ سے بہتر سمجھے۔ چہ جائیکہ اکابر دین سے اپنے تئیں اچھا سمجھے۔

دلے چوں شہ مرا برداشت از خاک
سز دگر بگذر اتم سز ز خاک
من آن خاکم کہ ابر تو بیماری
کند از لطف بر من قطرہ باری
اگر بر روی از تن صد ز بانم
چو سو من لشکر لطفش کے تو انم

(مکتوبات دفتر اول، مکتوب ۲۶۱)

طبقہ علماء میں سے مولانا عبدالحکیم سیالکوٹی جن کا تجربہ علمی مشہور ہے، پہلے عالم ہیں جنہوں نے حضرت شیخ کو مسجد و الف ثانی لکھا اور تجدید الف اثبات میں ایک رسالہ دلائل التجدیہ تصنیف فرمایا۔ واضح رہے کہ جمعہ کے دن ریح الاول کی دسویں تاریخ ۱۰۱۰ھ تک حضرت شیخ کو تجدید کا خلعت زیب تن ہوا۔

(۵) حضرت شیخ کو اللہ تعالیٰ نے منصب قیومیت عطا فرمایا: چنانچہ درود خدیوہ میں ہے کہ ایک روز آپ نماز ظہر کے بعد مراقبہ میں بیٹھے تھے۔ ناگاہ آپ نے اپنے اوپر ایک خلعت عالی نورانی پایا۔ ایسا معلوم ہوا کہ یہ خلعت تمام کمناات کی قیومیت کا ہے۔ جو برائت و جمعیت و ستم الرسل ﷺ عطا ہوا ہے۔ اتنے میں حضرت سید المرسلین و رحمۃ للعالمین ﷺ تشریف لائے اور اپنے دست مبارک سے آپ کے سر پر دستا باندھی اور منصب قیومیت کی مبارکباد دی۔ قیومیت کی کیفیت حضرت کے مکتوبات (دفتر ثالث، مکتوب ۷۹، ۸۰) میں درج ہے۔ باعث طوالت یہاں نقل نہیں کی گئی۔

واضح رہے و دشنبہ کا دن ۲۷ رمضان ۱۰۱۰ھ تھا کہ حضرت شیخ کو خلعت قیومیت عطا ہوا۔

(۶) قیومیت کے دوسرے سال شاہ اسکندر قادری جو شاہ کمال کھٹکی رحمۃ اللہ علیہ کے پوتے اور خلیفہ تھے، کبھتل سے حضرت شیخ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور خرقہ حضرت غوث اعظم ﷺ جو ان کے سلسلہ میں بطور امانت چلا آتا تھا آپ کے کندھے پر رکھ دیا۔ آپ اس وقت یاروں کے ساتھ مراقبہ میں تھے۔ جب آپ نے آنکھ کھولی تو شاہ صاحب کو دیکھ کر تواضع سے معاف کیا۔ شاہ صاحب نے بیان کیا کہ مجھے معاملہ میں کئی وفد میرے دادا شاہ کمال نے حکم دیا کہ میرا خرقہ فلاں یعنی آپ کو پہنچا دو۔ اگرچہ ایسے متبرک خرقہ کو گھر سے نکال کر کسی کو دینا میرے لئے مشکل تھا، لیکن جب مجھے ناکیدی تکم ملا۔ میں نے ناچار قبیل کی۔ حضرت شیخ اس خرقہ کو پہن کر حرم سرا میں تشریف لے گئے۔ کچھ دیر کے بعد جو نکلے تو اپنے بعض محرمان اسرار سے کہا کہ اس خرقہ کے پہننے کے بعد عجیب معاملہ پیش آیا۔ جب میں نے اسے پہنا تو حضرت شیخ الجن والانس سید عبدالقادر جیلانی اور ان کے تمام خلفاء حضرت شیخ کمال تک حاضر ہوئے۔ حضرت غوث ربانی نے میرے دل کو اپنے تعریف میں کر لیا اور خاص نسبتوں کے انوار و اسرار سے منور کر دیا۔ ان انوار کے غلبہ میں میرے دل میں یہ بات آئی کہ تو اکابر نقشبندیہ کا تربیت یافتہ ہے۔ اب یہ صورت پیش آئی ہے۔ اس خیال کا آنا تھا کہ مسائل سلسلہ نقشبندیہ خود بخود عبدالحق سے لے کر خواجہ باقی باللہ تک آ حاضر ہوئے اور مشائخ ہرود سلسلہ کے درمیان میری نسبت مباحثہ ہوا۔ اکابر نقشبندیہ نے کہا کہ یہ ہمارا تربیت یافتہ ہے اور ہماری تربیت سے ذوق وصال و کمال کو پہنچا ہے۔ اکابر قادریہ نے کہا کہ بچپن سے ہماری نظر اس پر ہے اور ہمارے خوان نعمت سے بہرہ ور ہے اور اب بھی ہمارا خرقہ پہننے ہوئے ہے۔ دونوں فریق اسی مباحثہ میں تھے۔ کہ مشائخ روہ و چشتیہ رحمہم اللہ تعالیٰ کی ایک جماعت نے دونوں میں صلح کرا دی۔ یعنی تمام اکابر نے آپ کو اپنا مقبول بنانے میں اتفاق کیا اور ہر ایک نے اپنی نسبت سے سرفراز فرمایا۔

(۷) حضرت شیخ کو اللہ تعالیٰ نے علماء و راہتین سے بنایا اور آپ پر اسرار متشابہات قرآنی اور موز مقطعات قرآنی ظاہر فرمائے۔ چنانچہ آپ

میاں شیخ بدیع الدین کو یوں تحریر فرماتے ہیں:

”بھائی جان! حضرت حق سبحانہ تعالیٰ نے اپنی کتاب کو دو قسم بنایا۔ حکمتاہت و تقابہات، پہلی قسم ماخذ سے علم شرائع و احکام کا اور دوسری قسم مخزون ہے حقائق و اسرار کا۔ الفاظید، و بدقلم، ساق، اصالیح، اور انہل جو قرآن وحدیث میں آئے ہیں سب قسم تقابہات سے ہیں۔ اسی طرح حروف مقطعات جو قرآن کی سورتوں کے شروع میں آئے ہیں وہ بھی قسم تقابہات سے ہیں، کہ جن کی تاویل پر علمائے راہنمیں کے سوا کسی کو آگاہی نہیں دی گئی۔ آپ یہ خیال نہ کریں کہ تاویل کے مراد قدرت ہے جو لفظید سے تعبیر کی گئی ہے یا ذات جو لفظ وجد سے تعبیر ہوئی ہے، بلکہ ان کی تاویل پوشیدہ اسرار سے ہے جو انھیں الخواص کو بتائی گئی ہے۔ حروف مقطعات قرآنی کی بابت کیا لکھوں کہ ان میں سے ہر ایک حرف عاشق و محشوق کے پوشیدہ اسرار کا ایک موج زن سمندر ہے اور محبت و محبوب کی ہر ایک رمزوں میں سے ایک پوشیدہ رمز ہے۔ حکمتاہت اگرچہ قرآن کے اصول ہیں لیکن ان کے نتائج و ثمرات جو تقابہات ہیں کتاب کے مقاصد سے ہیں (یہاں تک کہ فرمایا) ”موتوں تک یہ فقیر تقابہات کی تاویل کو خواہ بعلم حضرت حق سبحانہ کرنا رہا اور تقابہات پر ایمان کے سوا علمائے راہنمیں کا حصہ نہ سمجھتا تھا اور جو تاویلیں کہ علمائے صوفیاء نے بیان کیا ہیں ان کو تقابہات کی شان کے لائق نہ جانتا تھا اور ان تاویلوں کو ان اسرار سے تصور نہ کرتا تھا جو پوشیدگی کے قابل ہوں، چنانچہ تین التفصیلتا نے بعضے تقابہات مثلاً الم کی تاویل میں کہا ہے کہ اس سے مراد الم درو ہے جو عشق و محبت کو لازم ہے اور اسی طرح کی کئی اور تاویلیں بتائی ہیں۔ آخر کار جب حضرت حق سبحانہ تعالیٰ نے محض اپنے فضل تقابہات کی تاویلات کا ایک شمارہ اس فقیر پر ظاہر کیا اور اس دیر یائے محیط سے ایک نہر اس مسکین کی استعداد کی زمین میں نکال دی تو معلوم ہوا کہ تقابہات کی تاویلات سے علمائے راہنمیں کو بھی حظ وافر حاصل ہے۔“

(مکتوبات دفتر اول۔ مکتوب: ۲۷۶)

(۸) حضرت شیخ محدث (فتح وال) تھے چنانچہ آپ خواجہ محمد صدیق کو تحریر فرماتے ہیں:

”بھائی صدیق! جان لے کہ اللہ سبحانہ کا کلام انسان کے ساتھ کبھی رو برو ہوتا ہے اور اس طرح کا کلام آحاد انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے لئے ہے اور ایسا کلام کبھی آحاد انبیاء کے کامل تابعین کے لئے بھی بطور جمعیت و وراثت ہوتا ہے جب اس قسم کا کلام تابعین میں سے کسی شخص کے ساتھ کلمت سے ہوتا ہے تو اس شخص کو محدث کہتے ہیں۔ جیسا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ تھے اور اس قسم کا کلام جدا جدا الہام سے اور اللہ تعالیٰ سے اور اس کلام سے جو فرشتہ کے ساتھ ہوتا ہے۔ اس کلام کے ساتھ انسان کامل ہی بعد طے امر و طلق و روح و نفس و عقل و خیال کے مطابق کیا جاتا ہے۔ اللہ اپنی رحمت کے ساتھ حاصل کرتا ہے جسے چاہتا ہے اور اللہ بڑے فضل والا ہے۔ تکلم بالمشافہ سے لازم نہیں آتا کہ مستحکم دکھائی دے سماع کو، کیونکہ جائز ہے کہ سماع کمزور بینائی والا ہو جو تکلم کے انوار کی چمک کو برداشت نہ کر سکتا ہو، جیسا کہ جب آنحضرت علیہ علیہ السلام کی وصال و التسلیمات سے شب معراج میں رویت باری تعالیٰ کی نسبت سوال کیا گیا تو آپ نے جواب دیا کہ وہ نور ہے۔ میں اسے کیونکہ دیکھ سکتا ہوں اور نیز تکلم بالمشافہ میں جب شہودی کا فرق ہے نہ کہ جب وجودی کا، پس تو سمجھ لے کیونکہ یہ معرفت شریف وہ ہے کہ بہت کم کسی نے اس کے ساتھ لب کشائی کی ہو۔ والسلام علی من اتبع الهدی“۔ (مکتوبات: دفتر دوم۔ مکتوب: ۱۵) صاحب زبدة المقامات لکھتے ہیں کہ اسی کی طرف اشارہ ہے وہ جو خود مزادہ خواجہ محمد معصوم مدظلہ نے اپنی بیاض خاص میں لکھا ہے کہ حضرت شیخ کو آپ کے جد مکرّم فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی وراثت سے محدث بنایا گیا۔

(۹) حضرت شیخ بطور جمعیت زمرہ سابقین سے تھے۔ چنانچہ آپ سید عبدالباقی سارنگپوری کو یوں تحریر فرماتے ہیں:

”جان لے خدا تجھے نیک راستے چلانے کے بائیں ہاتھ والے ظلمانی پردوں والے ہیں اور دائیں ہاتھ والے نورانی پردوں والے۔ سابقین وہ ہیں جو ظلمانی پردوں اور نورانی پردوں سے نکل آتے ہیں اور ایک قدم بائیں ہاتھ پر اور دوسرا دائیں پر رکھ کر سبقت کی گیند اصل کے میدان میں لے گئے ہیں اور ظلال امکان اور ظلال وجوبی سے اوپر چلے گئے ہیں اور اسم و صفت سے اور شان و اعتبار سے ان کا مقصود سوائے ذات خدا سے تعالیٰ و تقدس کے نہیں۔ بائیں ہاتھ والے کفر و بدعتی والے ہیں اور دائیں ہاتھ والے اہل اسلام و ولایت ہیں۔ سابقین بطریق اصالت انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام اور ان کی جمعیت سے جن کو یہ شرف بخشا جائے یہ دولت بطریق جمعیت زیادہ تر انبیاء کے کار ہر صاحب میں ہے علیہم الصلوٰۃ والسلام اور انتہیات اور برسبیل قلت و ندرت غیر اصحاب میں موجود ہے۔ حقیقت میں یہ شخص (یعنی غیر اصحاب جو اس دولت سے مشرف ہے) بھی زمرہ اصحاب سے ہے اور کمالات انبیاء سے ملحق ہے۔ شاید آنحضرت علیہ علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ ”لا یدری اولھا خیر ام اخرھا“ وہ جو آنحضرت علیہ علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ ”خیر القرون قرنی“ وہ باعتبار قرون کے فرمایا اور یہ باعتبار اشخاص کے۔ واللہ سبحانہ اعلم“۔ (مکتوبات: دفتر دوم۔ مکتوب: ۳۹)

(۱۰) حضرت شیخ کو اللہ تعالیٰ نے محض اپنے لطف سے خزیہ رحمت بنایا، جیسا کہ مکتوبات شریف کی جلد اول کے مکتوب ۳۱۱ سے ظاہر ہے۔
 (۱۱) یہ درویش ایک روز (تجدید کے بارہویں سال) اپنے یاروں کے حلقہ میں بیٹھا ہوا تھا اور اپنی خرابیوں پر نظر تھی اور یہ نظر یہاں تک غالب تھی کہ اپنے تئیں اس طریق سے بالکل بے مناسبت پاتا تھا اس اثناء میں حکم حدیث من تواضع لله رفعه الله اس دور افتادہ کو نذرت کی خاک سے اٹھایا گیا اور یہ نذرت اس کے باطن میں کی گئی کہ میں نے بخش دیا تجھ کو اور ان کو جو بالواسطہ یا بلاواسطہ قیامت تک میری طرف تیرا واسطہ پکڑیں گے۔ بار بار یہ بشارت دی گئی۔ یہاں تک کہ گنجائش ندرتیں والحمد لله سبحانه له علی ذالک حمد اکثر طیبیا مبارکاً فیہ مبارکاً علیہ وکما یحب ربنا ویرضی والصلوة والسلام علی رسولہ سیدنا محمد والہ کما یحیی بعدہ ازاں اس واقعہ کے اظہار کا حکم دیا گیا۔

اگر پادشہ بدر بجز زن
 بیاید تو اے خواجہ سہل کمن

ان ربک واسع المغفرة“۔ (رسالہ مبداء و معاد)

(۱۲) حضرت شیخ کو بشارت دی گئی کہ تم مجتہدین علم کلام سے ہو، چنانچہ آپ تحریر فرماتے ہیں:
 ”اس فقیر کو تو وسط احوال میں حضرت پیغمبر علیہ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے واقعہ میں فرمایا ہے کہ تو علم کلام کے مجتہدوں سے ہے۔ اس وقت سے مسائل کلامیہ میں سے ہر مسئلہ میں اس فقیر کی خاص رائے اور مخصوص علم ہے۔ وہ مسائل جن میں ماترید یہ و اشاعرہ اختلاف رکھتے ہیں، ان میں سے اکثر میں سرسری نظر سے حقیقت اشاعرہ کی طرف سمجھ میں آتی ہے، مگر جب فراست کے نور سے تیز نظر سے دیکھا جاتا ہے تو ظاہر ہو جاتا ہے کہ حق ماترید یہ کی طرف ہے۔ علم کلام کے تمام مسائل اختلافیہ میں اس فقیر کی رائے علماے ماترید یہ کی رائے کے موافق ہے۔“
 (مبداء و معاد)

(۱۳) حضرت شیخ پر حضور ﷺ کی محبت کا غلبہ اس قدر تھا کہ ایک روز درویشوں کی جماعت میں فرمایا:
 محبت آنسرو بہ نیچے مستولی شدہ است کہ حق سبحانہ و تعالیٰ را بواسطہ آن دوست سے دارم کہ رب محمد ﷺ است۔
 آنسرو علیہ الصلوٰۃ والسلام کی محبت اس طرح غالب آگئی ہے کہ میں حق سبحانہ و تعالیٰ کو اس لئے دوست رکھتا ہوں کہ وہ محمد ﷺ کا رب ہے۔ (رسالہ مبداء و معاد)

(۱۴) اللہ تعالیٰ نے محض اپنے کرم سے حضرت شیخ کی دنیا کو آخرت کر دیا تھا۔ حضرت خواجہ محمد معصوم رحمہ اللہ تعالیٰ اس بشارت کی شرح میں یوں تحریر فرماتے ہیں:

”ہمارے حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی علیہ السلام کو بشارت دی گئی تھی کہ میں نے تیری دنیا کو آخرت کر دیا۔ اس عبارت عالی کی شرح اور اس کا مکافقہ غیبی کے عمل میں چند سطریں لکھی جاتی ہیں۔ گوش ہوش سے سنیے۔ معلوم رہے کہ جو کچھ اس دنیا میں نظر آتا ہے ظلیت کی آمیزش کے بغیر نہیں کیونکہ دنیا ظلیت کی آمیزش کے بغیر اصل کے ظہور کی تاب نہیں رکھتی اور اصل کے ظہور کا مقام آخرت ہے۔ جب حضرت کی دنیا آخرت کے حکم میں ہو گئی تو ناچار آخرت کا موعود اس دنیا میں جلوہ گر ہو گیا اور ظلیت کی آمیزش کے بغیر اصل کا نعیب حاصل ہو گیا اور یہ بھی مراد ہو سکتی ہے کہ اس فانی دنیا کے بعضہ تصحعات (منافع) جو آخرت کے درجوں کی کمی کا باعث ہیں وہ حضرت کے حق میں ایسے نہ ہوں بلکہ درجات کی ترقی کا باعث ہوں جیسا کہ آخرت کی نعمت جس سے بہرہ ور ہونا ترقی کا باعث ہے۔ اس کا بیان یوں ہے کہ بہشت کے درخت اور شہریں اور اسی طرح وہاں کی حور و غلمان حضرت حق سبحانہ و تعالیٰ کے معانی حزیبہ و تحمیدی کے مظاہر ہیں۔ وہی معانی اس دنیا میں کلمات کی صورتوں اور حرفوں کے لباس میں ظاہر ہو گئے ہیں مثلاً سبحان اللہ اور الحمد للہ۔ جس طرح ان کلمات کا اور اس دنیا میں ترقی کا باعث ہے۔ اسی طرح بہشت میں ان میوہ جات سے حظ اٹھانا اور ان لذتوں اور نعمتوں سے بہرہ ور ہونا درجات کے بلند ہونے اور مقامات کی ترقی کا باعث ہے۔ جب خدا تعالیٰ عم احسانہ کے کرم سے حضرت شیخ کی دنیا آخرت ہو گئی تو ناچار دنیا کی نعمت سے لذت اٹھانا آخرت کی لذتوں سے حظ اٹھانے کی مثل ٹھہرا۔ حضرت خواجہ نے اور احتمالات بھی بیان کئے ہیں۔

(دیکھو مکتوبات معصومیہ۔ جلد اول۔ مکتوب: ۱۸۹)

(۱۵) حضرت شیخ کو اللہ تعالیٰ نے حضور سید الانبیاء ﷺ کی کمال متابعت کے سبب اس مقام سے مشرف فرمایا جو مقام رضا سے اوپر ہے اور جسے مقام ذات بخت سے تعبیر کرتے ہیں۔ اس کا ذکر مکتوبات کی جلد ثانی کے مکتوب ۳۳۷ میں ہے۔ حضرت شیخ نے مرض موت میں اس

مقام کی توضیح و تشریح فرمائی۔ چنانچہ خود محمد مصوم رحمہ اللہ تعالیٰ یوں تحریر فرماتے ہیں:

”حاصل کلام حضرت شیخ نے فرمایا کہ وصال لایزال کے داعی نے میرے باطن میں آواز دی کہ تجھے بادشاہ بلا تا ہے۔ میری ہمت کا بلند پرواز مرغ آشیانِ قدس کی طرف متوجہ ہوا۔ یہاں تک کہ پہنچا جہاں پہنچا۔ اس بارگاہِ عالی جاہ سے یہ آواز سنی کہ بادشاہ گھر میں نہیں۔ اس کے بعد معلوم ہوا کہ یہ حقیقت کعبہ ربانی کا مقام ہے۔ میں اس سے پرے کی طرف چلا اور چڑھتا گیا۔ یہاں تک کہ صفاتِ حقیقت کے مقام پر پہنچا۔ جو وجودِ زائد کے ساتھ موجود ہیں۔ یہ مقام صفاتِ صورِ علمیہ صفات سے پرے ہے جو تعینِ علمی کے مرتبہ میں موجود ہیں اور صورِ صفات سے پرے ہے جو تعین و وجودی اور تعینِ حسی کے مرتبہ میں ہیں، میں اس مقام سے بھی اوپر کی طرف متوجہ ہوا یہاں کہ میں ان صفات کے اصول سے جو شیون ذاتیہ اور ذاتِ عزائمانہ میں محض اعتبارات ہیں، داخل ہو گیا اور تم دونوں بھائی ہر مقام میں میرے ساتھ ہو۔ وہاں سے مجھے اوپر لے گئے اور ذاتِ تحت تک جو ہستوں اور اعتبارات سے خالی ہے، پہنچا دیا (چند سطر بعد) اور اسی مرض موت میں اسی مجلس میں یادِ سری مجلس میں فرمایا کہ اس درجہ کمال کا حصول اور اس رتبہِ عالی پر حصول کلامِ مجیدِ سبحانی کے تعلق پر موقوف ہے۔ قرآن کے طفیل و توسط سے میں اس مرتبہ کے ساتھ ممتاز ہوا ہوں۔ حروفِ قرآنی میں سے ہر حرف کو میں ایک دریا پاتا ہوں جو کعبہ مقصود تک پہنچانے والا ہے۔“

(مکتوباتِ معصومیہ۔ جلد اول۔ مکتوب: ۱۸۳)

(۱۶) حضرت شیخ فرماتے ہیں کہ میں اوائل حال میں دیکھتا ہوں کہ ایک مکان میں طواف کر رہا ہوں اور ایک اور جماعت بھی اسی طواف میں میرے ساتھ شامل ہے لیکن اس جماعت کی رفتار اس قدر تیز ہے کہ مٹتی دیر میں میں طواف کا ایک دور پورا کر لیتا ہوں وہ دو تین قدم فاصلہ طے کرتے ہیں۔ اسی اثنا میں معلوم ہوتا ہے کہ یہ مکان عرش کے اوپر ہے اور طواف کرنے والی جماعت بزرگ فرشتے ہیں علیٰ نبینا و علیہم الصلوٰۃ والسلام۔ اللہ اپنی رحمت سے مختص کرتا ہے۔ جسے چاہتا ہے اور اللہ بڑے فضل والا ہے۔ (رسالہ مبداء و معاد)

(۱۷) حضرت شیخ نسبتِ خاصہ مجددیہ کی فوقیت کا اظہار کرتے ہوئے یوں تحریر فرماتے ہیں:

”میں خیال کرتا ہوں کہ حضرت مہدی موعود جن کے لئے اکملیت و ولایت کا عہد کیا گیا ہے وہ بھی اسی نسبت پر ہوں گے اور اسی سلسلہ عالیہ کی تکمیل کریں گے۔ کیونکہ ساری ولایتوں کی نسبت اس نسبتِ عالیہ سے کم ہے۔ وجہ یہ کہ باقی ولایتوں کو مرتبہ نبوت کے کمالات کا کم حصہ ملا ہے اور یہ ولایت حضرت صدیق اکبر کی طرف منسوب ہونے کے سبب سے ان کمالات سے حلا و فرار رکھتی ہے جیسا کہ ابھی گزرا۔ یہاں تفاوتِ رہ از کجاست تا کجاست“ (مکتوبات۔ دفتر اول۔ مکتوب: ۲۵۱)

رسالہ مبداء و معاد میں لکھتے ہیں:

”وایں نسبت یایں خصوصیت فرد اور حضرت مہدی ظہورِ خواہد یاہت انشاء اللہ تعالیٰ“

(۱۸) حضرت شیخ کو بشارت دی گئی کہ جس جنازے پر آپ حاضر ہوں گے وہ میت بخشی جائے گی۔

(۱۹) حضرت شیخ کی دعا سے سرحد شریف کے قبرستان سے عذاب اٹھایا گیا۔ چنانچہ روضہ قیومیہ میں لکھا ہے۔ کہ تجدید کے تیرہ سو سال ایک روز حضرت قیوم اول علیہ السلام اپنے چھٹے دادا سرہند کے بانی امام رفیع الدین قدس سرہ کی زیارت کے لئے تشریف لے گئے۔ فاتحہ کے بعد امام صاحب کے مزار پر قبرستان کی مغفرت کے لئے جناب اٹھی میں عاجزی و التماس کی۔ البہام ہوا کہ ہم نے ایک ہفتہ کے لئے اس قبرستان پر سے عذاب اٹھالیا۔ پھر التماس کی کہ اسے پروردگار تیرہ رحمت کی کوئی انتہا نہیں۔ مغفرت اور زیادہ کر، پھر البہام ہوا کہ ایک مہینے کے لئے اس قبرستان سے عذاب اٹھالیا حضرت نے پھر التماس کی تو البہام ہوا کہ اچھا ایک سال کے لئے اس قبرستان پر سے ہم نے عذاب اٹھالیا، پھر التماس کی تو جناب باری سے بفضل و کرم حکم ہوا کہ ہم نے اپنے فضل سے تمہاری خاطر اس قبرستان سے قیامت تک عذاب اٹھالیا۔

اسی سال ایک روز حضرت قیوم اول علیہ السلام اپنے والد بزرگوار خدوم عبدالاحد قدس سرہ کے مزار پر زیارت کے لئے تشریف لے گئے۔ اس وقت آپ کے دل میں اس حدیث شریف کے مضمون کا خیال آیا کہ جب کسی عالم کا گزر قبر پر سے ہوتا ہے تو چالیس روز تک صاحبِ قبر کو عذاب نہیں ہوتا۔ یہ خیال آتے ہی البہام ہوا کہ آپ کی تشریف آوری کے سبب ہم نے اس قبرستان سے قیامت تک عذاب اٹھالیا۔ آئندہ بھی جو شخص اس قبرستان میں دفن کیا جائے گا ہم اپنے فضل و کرم سے بخش دیں گے۔

شہر سرہند کا تمام قبرستان اسی مقام پر ہے جس کی بابت آنحضرت کو خوشخبری ملی تھی۔ اس قبرستان کے مرکز میں حضرت کے والد بزرگوار کا

مزار مبارک ہے۔ انتہی

(۲۰) حضرت شیخ کا ارشاد ہے کہ زن و مرد جو بالواسطہ یا بلا واسطہ ہمارے طریقہ میں داخل ہوئے ہیں یا قیامت تک ہوں گے وہ سب

نہیں دکھائے گئے ہیں اور ہر ایک کا نام و نسب اور مولد و مسکن ہمیں بتایا گیا ہے۔ اگر ہم چاہیں تو ایک ایک کو بیان کر دیں۔

(۲۱) حضرت شیخ کو مبادلہ سلوک میں علوم لدنی حضرت خضر علیہ السلام کی روحانیت سے حاصل ہے جیسا کہ رسالہ مہداء و معاد میں ہے۔

(۲۲) حضرت شیخ پر ظاہر کیا گیا کہ ہندوستان میں بھی پیغمبر مبعوث ہوئے ہیں چنانچہ فرماتے ہیں:

”پہلی امتوں میں جو فقیر ملاحظہ کرتا ہے تو ایسی جگہ کہ پاتا ہے جہاں کوئی پیغمبر مبعوث نہ ہوا ہو، یہاں تک کہ ہند کی زمین میں بھی جو اس معاملہ سے دور معلوم ہوتی ہے، معلوم ہوتا ہے کہ اہل ہند میں سے پیغمبر مبعوث ہوئے ہیں۔ جنہوں نے خدا جل شانہ کی دعوت دی ہے اور ہند کے بعض شہروں میں محسوس ہوتا ہے کہ انبیاء علیہم الصلوٰت والتسلیمات کے انوار شرک کی تاریکیوں میں مشعلوں کی مثل روشن ہیں۔ فقیر اگر چاہے تو ہند کے ان شہروں کا پتہ بنا سکتا ہے اور دیکھتا ہے کہ ان پیغمبروں میں کوئی ایسا ہے کہ اس پر کوئی ایمان نہیں لایا اور اس کی دعوت کو کسی نے قبول نہیں کیا اور کوئی ایسا ہے کہ اس پر ایک شخص ایمان لایا ہے اور کسی پر دو اور کسی پر تین شخص ایمان لائے ہیں۔ یہ نظر نہیں آیا کہ ہند میں تین آدمیوں سے زیادہ کسی پیغمبر پر ایمان لائے ہوں تاکہ چار آدمی ایک پیغمبر کی امت ہوں۔“ (مکتوبات و دفتر اول - مکتوب: ۲۵۹)

(۲۳) ایک روز صبح کے حلقہ میں حضرت الیاس و خضر علی نبینا وعلیہما الصلوٰت والتسلیمات حضرت شیخ کی خدمت میں بصورت روحانیات حاضر ہوئے۔ حضرت خضر علیہ السلام نے تپتی روحانی فرمایا کہ ہم عالم ارواح سے ہیں۔ خدا تعالیٰ نے ہماری روحوں کو یہ قدرت کاملہ عطا فرمائی ہے کہ اجسام کی صورت میں متمثل ہو کر وہ کام کرتی ہیں جو جسموں سے وقوع میں آیا کرتے ہیں۔ مثلاً حرکات و سکنات، جسمانی اور طامعات و عبادات بدنی، اس وقت دل میں آیا کہ ان دو بزرگواروں سے کچھ مانگوں۔ انہوں نے فرمایا کہ عنایت ازودی جس شخص کے شامل حال ہو، ہمیں اس میں کیا دخل ہے۔ حضرت الیاس علی نبینا وعلیہ الصلوٰت والسلام اس گفتگو میں خاموش رہے۔ (مکتوبات و دفتر اول - مکتوب: ۲۸۳)

(۲۴) خدا تعالیٰ کے محض کرم سے حضرت شیخ کے سینے بے کینہ سے خناس و سوا اس دور کیا گیا۔

(۲۵) حضرت شیخ نے خواب میں دیکھا کہ حضرت رسالت پناہ ﷺ نے آپ کے لئے ایک اجازت نامہ لکھا ہے، جیسا کہ مشائخ اپنے ظہیوں کو لکھ دیا کرتے ہیں۔ اسی اثناء میں ظاہر ہوا کہ اس اجازت نامہ کے اجراء میں کچھ تاخیر ہے۔ خادم اس اجازت نامہ کو گو یا دوسری بار حضور اقدس ﷺ کی خدمت میں لے گیا ہے اور حضور انور ﷺ نے اس اجازت نامہ کی پشت پر ایک اور اجازت نامہ لکھا ہے یا لکھوایا ہے اور اسے اپنی مہر سے مزین فرمایا ہے۔ اس دوسرے اجازت نامہ کا مضمون یہ ہے کہ دنیا کے اجازت نامہ کے عوض میں نے آخرت کا اجازت نامہ دیا ہے اور مقام شفاعت سے نصیب عطا فرمایا ہے۔ (تفصیل کے لئے دیکھو مکتوبات - دفتر ثالث - مکتوب: ۱۰۶)

(۲۶) اللہ تعالیٰ نے حضرت شیخ کو طریقت چہ دیدہ عطا فرمایا۔ آپ سے پہلے سالکین کی سیر صرف ولایت صغریٰ یعنی قلب میں منحصر تھی اور شاذ و نادر کسی کو ولایت کبریٰ میں ہوا کرتی تھی، مگر خدا تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے حضرت شیخ پر ولایت کبریٰ، ولایت ملا اعلیٰ، کمالات نبوت و رسالت و اولوالعزم، حقیقت ابراہیمی، حقیقت موسوی، حقیقت محمدی و احمدی، حب صرفہ و لائقین اور نیز حقیقت کعبہ، حقیقت قرآن، حقیقت صلوٰت و معبودیت مطلقہ سب منکشف فرمائے اور آپ نے ان کمالات کی سیر بالتحصیل اپنے صاحبزادوں خواجہ محمد سعید و خواجہ محمد معصوم کو کرائی اور بلاضلع تعالیٰ آپ کے خاندان میں آج تک جاری ہے اور انشاء باللہ تعالیٰ قیامت تک جاری رہے گی۔

(۲۷) ایک روز حضرت شیخ حلقہ ذکر سے اٹھے اور فرمایا کہ اس حلقہ میں مجھے معلوم ہوا ہے کہ حاضرین میں سے ایک یا مرتد ہو جائے گا، میں نے اس کی پیشانی پر لفظ شتی لکھا ہوا دیکھا ہے۔ یہ سن کر تمام یاروں پر ہیبت طاری ہوگئی اور ہر ایک خوف کے مارے کا پٹنے لگا۔ دو یا تین ظاہر لا ہو رہی تھی۔ جو صاحبزادگان خواجہ محمد سعید و خواجہ محمد معصوم کا استاد تھا۔ چند روز کے بعد یہاں ہی وقوع میں آیا۔ شیخ ظاہر ایک کافرہ عورت پر عاشق ہو کر مرتد ہو گیا۔ صاحبزادوں نے اپنے والد بزرگوار کی خدمت میں عرض کی کہ شیخ ظاہر کے لئے دعا کیجئے تاکہ وہ پھر مسلمان ہو جائے۔ آپ نے بڑے مجر و نیاز سے دعا کی اور وہ قبول ہوگئی۔ شیخ ظاہر عشق مجازی کو چھوڑ کر آپ کی خدمت میں آیا اور شرف باسلام ہو کر آپ کی صحبت میں تھوڑے ہی عرصہ میں مراقب عالیہ پر پہنچا آپ نے شیخ ظاہر کے اجازت نامہ میں اس قصے کی طرف اشارہ فرمایا ہے اور مکتوب

۲۱ء جلد اول میں بھی اسے ذکر کیا ہے جس کا ماحصل یہ ہے کہ جب میں اس بلا کے ذریعہ کے لئے متوجہ ہوا تو میں نے لوح محفوظ میں اس کے ذریعہ کو کسی امر پر معلق نہ دیکھا اور اسے مبرم سمجھا۔ مجھے حیرت ہوئی کیونکہ آثار و اخبار و جماع امت سے مجھے معلوم تھا کہ قضاے مبرم میں تعمیر نہیں ہو سکتا۔ اسی اثنا میں مجھے حضرت نوٹ اعظم شیخ عبدالقادر جیلانی ؒ کا قول یاد آ گیا کہ میرے سوا کسی کو قضاے مبرم میں تصرف حاصل نہیں۔ میں نے عرض کی کہ الہی! جب تیرے اولیاء میں سے ایک کو یہ دولت حاصل ہے میں بھی امیدوار ہوں۔ میں نے بہت مجر و نیاز ظاہر کیا۔ میری دعا قبول ہوگئی اور اس راز کی معرفت بھی مجھے عطا کی گئی اور بتایا گیا کہ قضاے مطلقہ دو قسم کی ہے۔ ایک مطلق تو وہ ہے جس کی

تعلیق لوح محفوظ میں لکھی ہوئی ہے اور ایک مطلق ایسی ہے کہ اس کی تعلق علم خدا میں ہے۔ شیخ طاہر کا تفسیر اور حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی کا قول دوسری قسم میں داخل ہے۔ جس میں پہلی قسم کی مانند تبدیلی کا احتمال ہے چونکہ یہ قسم ثانی لوح محفوظ میں صورت قضا سے مبرم رکھتی ہے، اس لئے حضرت غوث اعظم نے اسے مبرم سے تعبیر فرمایا ہے۔

(۲۸) جان محمد جاندھری کا بیان ہے، کہ ایک بزرگ درویش نے جسے میں حسب ارشاد حضرت شیخ باغ حافظ رشتہ سے لایا تھا، حضرت سے میرے حالات دریافت کرنے کے بعد پوچھا کہ آپ نے اس کو کس سلسلہ میں مرید کیا ہے۔ حضرت نے فرمایا سلسلہ قادر یہ میں۔ اس نے کہا کہ میں سفارش کرتا ہوں۔ کہ جان محمد کو حضرت غوث الثقلین سید محمد الدین عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کی زیارت کراویں۔ اس پر حضرت نے میرا ہاتھ پکڑ کر قطب ستارہ کی طرف اشارہ کر کے فرمایا۔ کہ اسے خوب دیکھو میں نے دیکھا کہ ایک سیاہ گدڑی والے بزرگ اس میں سے نکلے اور شہر کی طرح ایک لہجہ میں اس مقام پر آگئے۔ حضرت نے فرمایا کہ حضرت غوث الثقلین یہی ہیں، ان کی قدم بوسی کرو، چنانچہ میں نے قدم بوسی کی بعد ازاں حضرت غوث الثقلین رخصت ہوئے اور ستارہ قطب کی طرف متوجہ ہوئے اور اس میں غائب ہو گئے۔

(۲۹) جب حضرت شیخ کے مکتوبات کی جلد اول تیار ہو گئی اور جلد ثانی کے شروع کرنے کی اجازت طلب کی گئی تو آپ نے جواب میں فرمایا کہ میں اس فکر و حیرت میں ہوں کہ تمام علوم و تجزیہ میں آپ کے ہیں خدا تعالیٰ کے نزدیک مقبول و پسندیدہ بھی ہیں یا نہیں۔ دوسرے روز فرمایا: ”کل رات آواز آئی اور ظاہر کیا گیا کہ یہ تمام علوم جو تو نے لکھے ہیں بلکہ جو کچھ تیری گفتگو میں آ گیا ہے۔ سب مقبول و پسندیدہ ہے اور میری تحریرات کی طرف اشارہ کر کے بتایا گیا کہ سب ہمارا قول اور ہمارا بیان ہے۔ اس وقت ان تمام علوم کو میری نظر میں لایا گیا۔ میں ایک ایک کو بطریق اجمال و تفصیل دیکھ رہا تھا۔ خصوصاً ان علوم کو جن میں ایک وقت مجھے کچھ تو دور تھا۔ سب کو میں نے اسی حکم میں داخل پایا۔ الحمد للہ علی الا حسان۔“ (دیباچہ دفتر سوم مکتوبات)۔

اس کے بعد آپ نے جلد ثانی کے مکتوبات کو لکھنا شروع کیا۔ مکتوبات شریف کی جلد اول مکتوب ۲۳۲ کے خاتمہ پر فرماتے ہیں:

”اے فرزند اہم معارف جو لکھے گئے ہیں امید ہے کہ الہامات رحمانی سے ہوں گے کہ جن میں وسوساں شیطانی کی آئینہ نشی کی بالکل مجال نہیں۔ اس امر کی دلیل فقیر کے پاس یہ ہے کہ جب میں ان علوم کے لکھنے کے درپے ہوا اور اللہ جل شانہ کی بارگاہ قدس میں ملتی ہوا تو میں نے دیکھا کہ گویا ملائکہ کرام اس مقام کے اطراف سے شیطان کو دور کر رہے ہیں اور اسے اس مکان کے گرد بے نہیں دیتے۔ واللہ سبحانہ اعلم بحقیقۃ الحال۔ چونکہ بڑی نعمتوں کا ظاہر کرنا اعظم محامد سے ہے اس لئے ان بڑی نعمتوں کے اظہار کی جرأت کی گئی۔ امید ہے کہ خود نبی کے مظہر سے خالی ہوگی۔ خود جی کی گنجائش کس طرح ہو سکتی ہے جبکہ اللہ سبحانہ کی عنایت سے اپنا نقص و شرارت ذاتی ہر وقت نصب العین ہے اور کمالات سب کے سب اللہ تعالیٰ سے منسوب ہیں۔“

(۳۰) ایک روز حضرت شیخ نے فرمایا کہ ہم پر ایسا ظاہر کیا گیا ہے کہ ہماری تمام تحریرات حضرت مہدی آخر الزمان علیہ الرحمۃ کی نظر سے گزر رہی ہیں اور آپ کے نزدیک مقبول ہوں گی۔

(۳۱) حضرت شیخ نے فرمایا کہ میں نے دیکھا حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ تشریف لائے ہیں اور فرماتے ہیں کہ میں تجھ کو علم افلاک سکھانے آیا ہوں۔

(۳۲) حضرت شیخ نے ایام وصال کے قریب فرمایا کہ سوائے نبوت کے جو کمالات نوع انسان میں ممکن ہیں۔ وہ اللہ تعالیٰ نے مجھ کو جناب سید البشر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تبعیت اور وراثت سے عطا فرمائے ہیں۔

(۳۳) رضویہ قیومیہ میں سال اول تجدید الف ثانی کے تحت میں لکھا ہے کہ حضرت قیوم اول رحمۃ اللہ علیہ کو ہمیشہ کعبہ کی زیارت کا شوق رہا۔ لیکن بعض مواقع کی وجہ سے زیارت کعبہ میسر نہ ہو سکی۔ اس سال وہ شوق بہت زیادہ ہو گیا، چنانچہ آپ جناب اسی شوق سے بے قرار رہنے لگے۔ ایک روز اسی بے قراری کی حالت میں بیٹھے تھے کہ کیا دیکھتے ہیں کہ انسان فرشتے، جن و غیرہ تمام مخلوقات نماز ادا کر رہی ہیں اور آپ جناب کی طرف رخ کر کے سجدہ کر رہی ہیں۔ جب آپ جناب نے توجہ کی تو معلوم ہوا کہ کعبہ معظمہ خود آپ جناب کی ملاقات کے لئے آیا ہے اور آپ کو گھبرایا ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ جو شخص کعبہ کی طرف سجدہ کرتا ہے وہ آپ کو ہی کرتا ہوا معلوم ہوتا ہے۔ اسی اثناء میں الہام ہوا کہ تم ہمیشہ کعبہ کے مشتاق تھے۔ ہم نے کعبہ کو تمہاری زیارت کے لئے بھیجا ہے، تمہاری خانقاہ کی زمین بھی کعبہ کا حکم رکھتی ہے۔ جو نور کعبہ میں تھا وہی نور ہم نے تمہاری خانقاہ کی زمین میں رکھ دیا ہے۔ بعد ازاں کعبہ نے آنحضرت کی خانقاہ میں طول کیا اور خانقاہ کی زمین کعبہ کی زمین سے مل گئی اور

اس مسجد کو بیت اللہ کی زمین سے پوری پوری فناء و بقاء حاصل ہوئی اور آپ جناب کی خانقاہ کی زمین میں تمام حقائق کعبہ متحقق ہو گئے۔ فرشتہ غیب نے آواز دی کہ حضرت مجدد الف ثانی ﷺ کی یہ مسجد تمام مسجدوں سے افضل ہے۔ جو ثواب ان تمام مسجدوں میں نماز ادا کرنے سے ہوتا ہے۔ وہ اس ایک ہی مسجد میں نماز ادا کرنے سے حاصل ہو جاتا ہے۔

حضرت قیوم ثانی معصوم زمانی ﷺ کے وقت میں اس مسجد کو وسیع کیا گیا اور اس متبرک زمین کو جہاں پر کعبہ نے حلول کیا تھا متبرک کے طور پر حوض مسجد کے مشرقی کنارے کی طرف باقی زمین سے اونچا رکھا گیا۔ آج کل وہ صند خاص و عام کی زیارت گاہ ہے۔ اچھے۔

(۳۷) حضرت شیخ فرماتے ہیں کہ مقام انقلاب پر پہنچنے کے بعد جناب سرور کائنات علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مجھے قطب ارشاد کی صلعت سے سرفراز فرمایا بعد ازاں عنایت خداوندی جل شانہ ترقی کرتے کرتے اصل الاصل تک پہنچا۔ اس اخیر عروج میں حضرت غوث اعظم محی الدین شیخ عبدالقادر جیلانی قدس سرہ الاشراف کی روحانیت سے مدد پہنچی (رسالہ مبداء و معاد) فرض کہاں تک لکھا جائے:

نہ حسش عایتے وارد سعدی را رخن پایاں
بمیر و نشہ مستقی و دریا بچیاں باقی

خوارق و کرامات:

حضرت شیخ کے خوارق بکثرت ہیں۔ ہم یہاں ان میں سے صرف بعض کا ذکر کرتے ہیں۔

(۱) حضرت شیخ کی سب سے بڑی کرامت آپ کے مکتوبات و دیگر تصانیف ہیں۔ جن میں وہ نادر علوم و معارف الہامیہ درج ہیں جو سنت و شریعت کے عین موافق ہیں۔ چنانچہ آپ اپنے بڑے صاحبزادے خواجہ محمد صادق کو لکھتے ہیں:

”اے فرزند! یہ علوم و معارف کہ جن میں اہل اللہ میں سے کسی نے نہ صراحتاً نہ اشارتاً لب کشائی کی ہے، اشرف معارف اور اکمل علوم میں سے ہیں۔ جو ہزار سال کے بعد صرّ ظہور پر آئے ہیں اور واجب تعالیٰ و تقدس کی حقیقت اور ممکنات کے حقائق کو جیسا کہ ممکن و لائق ہے بیان کرتے ہیں۔ نہ کتاب و سنت کے مخالف ہیں اور نہ اہل حق کے اقوال سے مخالفت رکھتے ہیں۔ حضرت نبی کریم ﷺ کی دعا الہیسم ارنسا حقائق الاشیاء کما ہی (یا اللہ حقائق اشیاء ہم کو دکھا جیسا کہ وہ ہیں) سے جو آپ نے گویا امت کی تعلیم کے لئے فرمائی ہے، شاید یہی حقائق مراد ہیں۔ جو ان علوم کے ضمن میں بیان ہوئے ہیں اور مقام عبودیت کے مناسب ہیں اور نقص و ذلت و انکسار پر دلالت کرتے ہیں جو حال بندگی کے موافق ہے۔ عاجز بندہ جو اپنے تئیں اپنے مولا کے قادر کاتبین سمجھے۔ اس میں کون سی اطافت ہے بلکہ اس سے تو اس کی کمال بے ادبی ظاہر ہوتی ہے۔“ (مکتوبات۔ دفتر اول۔ مکتوب: ۲۳۳)

اسی طرح آپ شیخ محمد چتری کو لکھتے ہیں:

بھائی جان سنے! خوارق کی دو قسمیں ہیں۔ قسم اول علوم و معارف الہیہ ہیں، جو ذات و صفات و افعال واجب تعالیٰ سے متعلق ہیں اور نظر عقلی کے طریقہ سے الگ اور عرف و عادت جاریہ کے خلاف ہیں۔ اس قسم سے اللہ تعالیٰ نے اپنے خاص بندوں کو ممتاز کیا ہے۔ قسم دوم کشف صور مخلوقات اور اشیائے غائبہ کی خبر دینا ہے۔ جو عالم کون سے متعلق ہے۔ پہلی قسم اہل حق و دار باپ معرفت کے لئے مخصوص ہے اور دوسری قسم اصحاب حق و اصحاب باطل میں مشترک ہے، کیونکہ یہ قسم اہل استدراج کو بھی حاصل ہے۔ پہلی قسم خدا کے نزدیک شریف و معتبر ہے۔ کیونکہ اس نے اسے اپنے اولیاء کے لئے مخصوص کیا ہے اور اپنے دشمنوں کو اس میں شریک نہیں فرمایا اور دوسری قسم عوام کے نزدیک معتبر اور ان کی نظروں میں معزز و محترم ہے۔ اگر اہل استدراج سے یہ قسم ظہور میں آئے تو قریب ہے عوام نادانی کے سبب سے اس کی پوجا کرنے لگ جائیں اور ہر رطب و یابس میں جو وہ ان کو بتائے اس کے تابع و فرماں بردار ہو جائیں، بلکہ یہ محبوب (عوام پہلی قسم کو خوارق و کرامات میں شمار نہیں کرتے۔ ان کے نزدیک خوارق دوسری قسم میں منحصر ہیں اور ان کے گمان میں کرامات صرف صور مخلوقات کے کشف اور معنیات کی خبر دینے کا نام ہے یہ لوگ کیسے بے عقل ہے۔ وہ علم جو مخلوقات حاضر یا غائبہ کے حالات سے تعلق رکھتا ہے۔ اس میں کون سی شرافت و کرامت پائی جاتی ہے، بلکہ یہ علم تو اس لائق ہے کہ جنہل سے مبدل ہو جائے، تا کہ مخلوقات اور اس کے احوال سے لسیان حاصل ہو۔ واجب تعالیٰ کی معرفت ہی وہ شے ہے جو سزاوار شرافت و کرامت اور شایان اعزاز اکرام ہے۔

پری نہفتہ رخ و دیور شمش و نار

سوخست عقل ز جہرت کہ اس چہ بو اعجمی است

(۲) ایک صاحب دل سید رحمت اللہ نام جو حضرت شیخ کے مریدوں میں سے تھا، بیان کرتا ہے کہ میں اور دو تین درویش اطراف ملک دکن میں ایک صحرا میں جا رہے تھے کہ ایک بت خانہ نظر آیا۔ میں نے حضرت سے سنا ہوا تھا کہ مسلمان سے بتوں اور بت پرستوں کی توہین جس قدر ہو سکے اس میں کوتاہی نہیں کرنی چاہئے، کیونکہ اس سے غازی فی سبیل اللہ کا ثواب ملتا ہے۔ میں نے حضرت کی نصیحت پر کار بند ہو کر اپنے ساتھیوں سے کہا کہ اس صحرا میں کوئی اس بت خانہ کا نگہبان نظر نہیں آتا۔ آؤ اس بت خانہ کو جہاں تک ہو سکے ویران کر دیں، چنانچہ ہم نے ایک بت توڑ دیا اور بعض دیواروں کے گرانے کے لئے کمر بستہ ہوئے۔ اس اثنا میں ہندو کا شکاروں میں سے ایک شخص نے دور سے اس صحرا میں بت خانہ کا یہ حال دیکھ لیا۔ وہ دوڑ کر گاؤں والوں کے پاس گیا۔ جو اس بت خانہ میں بتوں کی پوجا کیا کرتے تھے اور ان سے یہ ماجرا کہہ سنایا۔ ہم ناگاہ کیا دیکھتے ہیں کہ قریب ایک ہزار بت پرست لائیں اور پتھر اور ہتھیار لئے بڑے غوغا و غضب کی حالت میں ہماری طرف آرہے ہیں، مجھ پر اور میرے ساتھیوں پر حیرت و دہشت نے غالب کیا۔ بھاگ جانا بھی دشوار تھا، ہم نے شہید ہونے کی ٹھان لی۔ اس حال میں میں حضرت شیخ کی طرف متوجہ ہوا اور عرض کی:

”اے دین کے بزرگ! ہم نے آپ کی نصیحت پر کار بند ہو کر یہ کام کیا تھا۔ ہمیں کافروں کے ہاتھ سے چھڑائیے۔“ اس تصریح و نیاز میں میرے کان میں حضرت شیخ کی یہ آواز آئی:

”اطمینان رکھو! تمہاری حفاظت کے لئے ابھی اسلام کا لشکر بھیج رہا ہوں۔“ میں نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ عجیب معاملہ ہے۔ حضرت کی یہ آواز میرے کان میں آگئی، مگر لشکر آئے گا۔ کفار تو آپہنچے۔ ایک تیر کا فاصلا رہ گیا تھا کہ اچانک نیلہ پر سے تین چالیس سوار ہماری طرف گھوڑوں کو سر پیٹ دوڑاتے ہوئے نظر آئے۔ جب کافروں نے سواروں کو دیکھا تو چیخے ہٹ گئے۔ سواروں نے ان میں سے بعضوں کو تازیانے لگائے اور بعضوں کو ڈانٹ پلائی اور ہم کو اپنی حمایت میں ہمراہ لے لیا۔ معلوم ہوا کہ وہ سوار مسلمان تھے۔ جو اس نواح کے ایک گاؤں میں کسی تقریب پر آئے ہوئے تھے۔ جب وہ کفار کے ارادے سے آئے تھے تو ان کے گاؤں کے ایک مسلمان نے اس گاؤں میں جہاں سوار تھے، خبر کر دی تھی، لہذا وہ فوراً موقع پر پہنچ گئے اور ہم کو چھڑا لیا۔ اس میں شک نہیں کہ یہ حضرت شیخ کا ہی تصرف تھا۔

(۳) سید جمال جو حضرت شیخ کے مقبولین سے تھا، بیان کرتا ہے کہ ایک جنگل میں اچانک ایک شیر میرے آگے آیا۔ تنہائی کی وحشت اور اس درندے کی ہیبت سے میں سخت ہراساں ہوا۔ بھاگ جانا بھی ممکن نہ تھا۔ ناچار میں نے حضرت شیخ کی طرف توجہ کی کہ بچائیے، میں نے اسی وقت معاملہ میں دیکھا کہ حضرت عصا ہاتھ میں لئے دوڑے آرہے ہیں۔ آپ نے آتے ہی نہایت زور سے عصا اس شیر کے منہ پر مارا۔ جب اس معاملہ سے میری آنکھ کھلی تو میں نے نہ حضرت کو دیکھا اور نہ جنگل میں شیر کا کوئی نشان پایا۔

(۴) محمد صادق کابلی جو حضرت شیخ کے بڑے مخلصوں میں سے تھا۔ مرض جذام میں مبتلا ہو گیا۔ اٹھنے بیٹھنے اور کھانے پینے میں باراس کی مشارکت سے پرہیز کرنے لگے، یہاں تک کہ ایک مجلس میں اس کے ایک خاص یار نے اس کے ساتھ کھانا کھانے سے اعلائیہ انکار کیا۔ وہ بیچارہ نہایت شرمندہ و غمگین ہوا اور حضرت سے توجہ کی درخواست کی۔ آپ مرض کے دفعیہ کی طرف متوجہ ہوئے اور آپ نے مرض کو اپنے اوپر لے لیا۔ چنانچہ اس کا اثر مرض کے بدن سے آپ کے پاؤں مبارک پر منتقل ہو گیا۔ اس سے اگرچہ مخلصوں کی عقیدت میں زیادتی ہو گئی، مگر حضرت پر مرض کے منتقل ہونے سے سب غمگین و بے چین ہو گئے۔ جب حضرت نے صاحبزادوں اور یاروں کی بے چینی دیکھی تو دعا کی کہ یہ مرض آپ سے بھی دور ہو جائے، چنانچہ اللہ تعالیٰ کی عنایت سے وہ بیماری آپ سے بھی جاتی رہی اور سب خدا کا شکر بجالائے۔

(۵) حضرت شیخ کے عادل اصحاب سے سنا گیا ہے کہ ایک دفعہ حضرت بیابان و جنگل کی سیر کو نکلے۔ اٹھائے راہ میں دھوپ کی شدت اور گرمی اور غبار کی کثرت سے بڑے صاحبزادے اور دوسروں پر جو زیادہ ہمرکاب تھے پیاس نے غالب کیا، مگر پیاس ادب حضرت کی خدمت میں عرض کرنے کی جرأت نہ کر سکے۔ اس اثنا میں خود حضرت نے مولانا محمد یوسف سمرقندی سے جو آپ کے مرید اور پیر بھائی بھی تھے، ارشاد فرمایا کہ دھوپ کی شدت اور غبار کی کثرت سے یاروں کو تکلیف ہو رہی ہے۔ مولانا نے کہا کہ حضرت کو معلوم ہے یاروں کے عرض کرنے کی حاجت نہیں، اس پر حضرت نے مسکرا کر آسمان کی طرف آنکھ اٹھائی اور زربلر کہا۔ چند قدم بھی آگے نہ بڑھے تھے کہ بادل کا ایک ٹکڑا اٹا ہوا۔ جس نے حضرت اور آپ کے یاروں پر سایہ ڈالا اور ترش ہوا مگر اسی قدر کہ غبار ادب گیا اور کچھ نہ ہوا اور معتدل ہوا چلنے لگی حالانکہ وہ بارش کا موسم نہ تھا۔

(۶) ایک سید طالب علم کا بیان ہے کہ جو لوگ حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ عنہ سے لڑے، مجھے ان سے ہاتھ جوں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے نفرت

اور بدظن تھی۔ ایک روز میں مکتوبات احمد یہ کا مطالعہ کر رہا تھا کہ ان میں یہ لکھا دیکھا کہ امام مالک حضرت شیخین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے شتم کرنے والے پر جو حد لگاتے تھے۔ وہی حضرت معاذ یہ رضی اللہ عنہ پر شتم کرنے والے پر جاری کرتے تھے۔ میں نے یہ نقل دیکھ کر غصہ کی حالت میں کہا کہ یہ کیسی بے مزہ نقل ہے جو اس مرد (حضرت شیخ) نے یہاں ذکر کی ہے۔ یہ کہہ کر میں نے مکتوبات کو زمین پر پھینک دیا اور سو گیا۔ خواب میں دیکھا کہ حضرت شیخ غصہ کی حالت میں آئے اور اپنے ہاتھوں سے میرے دونوں کان پکڑ کر فرمانے لگے۔ اے طفل نادان! تو بھی ہماری تحریر پر اعتراض کرتا ہے اور اسے زمین پر پھینکتا ہے۔ اگر تو میرے قول کو معتبر نہیں سمجھتا تو آجھے حضرت علی مرتضیٰ ہی کے پاس لے چلوں۔ جن کی خاطر تو ان کے بھائیوں یعنی صحابہ کرام کو برا کہتا ہے۔ چنانچہ حضرت شیخ کشاں کشاں ایک باغ میں لے گئے اور مجھے اس باغ کے کنارے بٹھرا کر خود ایک محل کی طرف جو اس باغ میں نظر آ رہا تھا، چلے گئے۔ میں نے دیکھا کہ وہاں ایک نہایت نورانی شکل بزرگ بیٹھے ہوئے ہیں۔ حضرت شیخ نے بڑی تواضع سے ان کو سلام کہا، وہ بھی بڑی خوشی سے آپ کو ملے۔ اس کے بعد حضرت شیخ اس بزرگ کے آگے دو زانو بیٹھ گئے اور کچھ عرض کیا۔ شیخ و بزرگ دونوں دور سے میری طرف دیکھتے اور اشارہ کرتے تھے۔ مجھے یقین ہو گیا کہ وہ میری نسبت کچھ کہہ رہے ہیں۔ کچھ دیر کے بعد حضرت شیخ نے اٹھ کر مجھے نزدیک بلایا اور فرمایا کہ یہ بزرگ جو بیٹھے ہوئے ہیں حضرت امیر کرم اللہ تعالیٰ و جہ ہیں۔ سنو کیا فرماتے ہیں۔ میں نے سلام کیا۔ حضرت امیر نے زبان گوہر فشاں سے فرمایا کہ خبردار! حضرت پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب سے کوئی کدورت دل میں نہ رکھو اور ان کی ملامت زبان پر نہ لاؤ۔ ہم جانتے ہیں اور ہمارے بھائی کہ کن نیک نیتوں سے ہمارے اور ان کے درمیان جھگڑا ہوا تھا اور حضرت شیخ کا نام لے کر فرمایا کہ ان کی تحریر سے ہرگز سرن پھیرنا۔ باوجود اس نصیحت کے میں نے اپنے دل کی طرف رجوع کیا تو اصحاب کرام کی دشمنی و نفرت بدستور پائی۔ حضرت امیر یہ معلوم کر کے ناراض ہوئے اور حضرت شیخ سے فرمایا کہ اس کا دل ابھی صاف نہیں ہوا اور تھپڑ مارنے کے لئے اشارہ کیا، چنانچہ حضرت شیخ نے اپنی ساری قوت سے ایک تھپڑ میری گدی پر مارا۔ اس وقت میں نے اپنے دل کو کدورت سے صاف پایا۔ اس اثناء میں میری آنکھ کھل گئی۔ اب میں اسی طرح سینہ کو کینہ سے پاک پاتا ہوں اور حضرت شیخ کے کلام کی نسبت میرا حسن اعتقاد سوگنا زیادہ ہو گیا ہے۔

(۷) حضرت شیخ کے اصحاب بلکہ آپ کے صاحبزادے بھی حکایت کرتے ہیں کہ ایک سوداگر کی ٹیل کی بوری چوری ہو گئی۔ صاحب مال نے حضرت کے رشتہ داروں میں سے ایک جوان کو چوری سے متہم کیا۔ وہ جوان اہانت و تکلیف کے ڈر سے بھاگ گیا۔ سر ہند کے کوتوال نے جب یہ سنا تو حضرت کو طلب کیا۔ آپ نے ان یاروں کو جن کی نسبت آپ کو ظلم تھا کہ وہ آپ کا اس طرح جانا گوارا نہ کر سکیں گے۔ ہر طرف کسی نہ کسی کام پر روانہ کر دیا اور خود ایک خادم کے ساتھ پیادہ تشریف لے گئے۔ وہ بے ادب کو تو ال سخت باتیں زبان پر لاتا تھا اور آپ بڑی نرمی سے جواب دیتے تھے۔ اس اثناء میں مولانا طاہر بدخشی آچینے اور اس کوتوال پر ناراض ہو کر کہنے لگے کہ اے ایسے تیسے! تجھے معلوم بھی ہے کہ تو نے کیسے شخص کو طلب کیا ہے۔ آپ نے حضرت مولانا کو اس گفتگو سے روکا۔ کوتوال نے آپ کو رخصت کر دیا۔ اس بے ادب پر زیادہ دن نہ گزرے تھے کہ اس کوتوال اور اس علاقہ کے کروری کے درمیان بڑی لڑائی ہوئی۔ کوتوال تیس بیٹوں اور رشتہ داروں سمیت ایک بالا خانہ پر چڑھ گیا جو بارود سے پُر تھا۔ اچانک اس بارود میں کہیں سے آگ لگ گئی۔ جس نے کوتوال کو ساتھیوں سمیت جلا کر ان کا نشان تک نہ چھوڑا۔

بے ادب تنہا نہ خود راداشت بد

بلکہ آتش درہمہ آفاق زد

(۸) ایک امیر زادہ کو سلطان وقت نے کسی تقصیر کے سبب لاہور سے طلب کیا۔ غضب سلطانی کے مشاہدے سے حاضرین کو یقین تھا کہ اس امیر زادے کو آتے ہی ہاتھی کے پاؤں میں ڈال دیا جائے گا۔ جب وہ سر ہند میں پہنچا تو حضرت شیخ کی خدمت میں جان بخشی کے لئے اتنا اس کی۔ حضرت نے فرمایا کہ خاطر جمع رکھو۔ انشاء اللہ تمہیں کوئی تکلیف نہ پہنچے گی، بلکہ سلطان تم پر مہربانیاں کرے گا۔ اس نے نہایت اضطراب میں عرض کیا کہ آپ جو کچھ زبان مہارک سے فرما رہے ہیں وہ مجھے لکھ کر دے دیجئے تاکہ پورا پورا اطمینان ہو جائے۔ حضرت نے اس کے اصرار پر یہ لکھ کر دے دیا کہ چونکہ غلام امیر زادے نے غضب سلطانی کے خوف سے جو غضب الہی کا نمونہ ہے فقراء کی طرف رجوع کیا ہے۔ اس لئے فقراء نے اسے اپنی پناہ میں لے لیا اور اس مہملہ سے اسے رہائی دے دی۔ کئی دن کے بعد اچانک خبر آئی کہ اس کو سلطان نے اذیت دے کر قید خانہ میں بھیج دیا ہے۔ جب حضرت نے یہ سنا تو مسکرا کر فرمایا کہ فقیر کی نظر میں صبح کی روشنی کی طرح واضح ہے کہ وہ سلطان کی طرف سے شفقت و عنایت ہی دیکھے گا اور یہ خبر جو آئی ہے غلط ہے۔ دو تین روز کے بعد معلوم ہوا کہ سلطان اس امیر زادے کو دیکھتے ہی ہنس پڑا اور نصیحت کے طور پر چند کلمے زبان پر لایا، پھر بڑی عنایت سے خلعت دے کر رخصت کیا۔

(۹) مولانا امین جو خواجہ پوپا نہ سورتی کے مریدوں میں سے تھے، مرض شدید میں مبتلا ہو گئے اور مدت تک بیمار رہے، نہ دوا سے بہاری میں تخفیف ہوتی تھی نہ دعائے سے۔ حضرت شیخ کی شہرت سن کر انہوں نے ایک عریضہ خدمت شریف میں ارسال کیا اور دعائے صحت اور جامہ تبرک کے لئے التماس کی۔ حضرت نے ترس لکھا کہ ایک عنایت نامہ مع پیراہن تبرک بھیجا۔ اس عنایت نامہ میں مرض قلبی کے ازالہ کی تاکید فرما کر آپ نے یوں تحریر فرمایا:

”دیگر آنکہ آپ ظاہر کے ضعف کے سبب سے اندیشہ نہ کریں۔ انشاء اللہ تعالیٰ یہ ضعف صحت و عنایت سے بدل جائے گا۔ فقیر کا دل اس طرف سے مطمئن ہے۔ آپ نے فقیروں کا جامہ طلب کیا تھا۔ پیراہن بھیج دیا گیا۔ آپ استہانہ پہن کر نتائج و ثمرات کے منتظر رہیں، کیونکہ یہ بڑی برکت والا ہے۔“

ہر کس افسانہ بخواند افسانہ است
دآنکہ دیدش نقد خود مردانہ است

(مکتوبات۔ دفتر اول۔ مکتوب: ۱۶۶)

چنانچہ مولانا نے دو پیراہن پہن لیا اور سالوں کی بیماری سے صحت پائی اور حاضر خدمت ہو کر حضرت شیخ کے مریدوں کے زمرہ میں داخل ہوئے۔

(۱۰) علاوہ سرہند کے ایک فاضل تخلص کا بیان ہے کہ حضرت شیخ سے میری ارادت کا باعث یہ ہوا کہ میرا ایک رشتہ دار تھا جس سے مجھے بڑی محبت تھی۔ وہ ایک مرض شدید میں مبتلا ہو گیا اور عاودا کے لئے فقراء و اطباء کی خدمت میں بہت پھرا، مگر کچھ فائدہ نہ ہوا۔ ایک شخص نے مجھ سے حضرت شیخ کی تعریف کی۔ میں نے حاضر خدمت ہو کر توجہ کی التماس کی۔ آپ نے فاتحہ پڑھی اور حجرے میں داخل ہوئے۔ ایک لمحہ کے بعد حجرے سے نکل کر آواز دی کہ فلاں شخص جس نے اپنے مریض کے لئے فاتحہ شفا کی درخواست کی تھی کہاں ہے، میں حاضر ہوا تو فرمایا کہ ہم فاتحہ مغفرت پڑھتے ہیں، میں حیران و حیران ہو کر اپنے مکان کی طرف جو سرہند سے چند فرسنگ کے فاصلہ پر تھا روانہ ہوا۔ میں نے راستے میں اپنے دل میں کہا کہ حضرت کی یہ دوسری فاتحہ صحت کی صریح خبر ہے۔ جب میں گھر پہنچا تو اس مریض کو دفن کر چکے تھے۔ میں نے جو حساب لگایا تو ظاہر ہوا کہ جس وقت حضرت نے مجھے بلا کر فاتحہ مغفرت پڑھی تھی وہ اسی وقت فوت ہوا تھا۔ یہ کرامت دیکھ کر میں آپ کا مرید ہو گیا۔

(۱۱) نواب خان خانان صوبہ وادکن جو محب و الفقراء اور حضرت شیخ کا معتقد تھا، اس امر پر مامور تھا کہ ممالک دکن کو تصرف میں لائے۔ ایک مدت دراز یوں ہی گزار گئی۔ معتمدان سلطنت نے سلطان سے عرض کیا کہ خان خانان نے پوشیدہ دشمنی سے صلح کر لی ہے اور بظاہر جنگ میں مشغول ہے۔ بادشاہ نے فوراً خان خانان کو معزول کر دیا اور اس بات کا خطرہ ہوا کہ کہیں اسے قتل کرادے۔ سیادت مآب میر محمد نعمان نے جو خان خانان کے آشنا تھے، یہ معاملہ حضرت شیخ کی خدمت میں لکھا اور توجہ کے لئے التماس کی۔ حضرت نے میر موصوف کے عریضہ کو پڑھ کر لکھا کہ آپ کے خط کے مطالعہ کے وقت خان موصوف بہت عالی شان نظر آئے۔ آپ اس کے معاملہ میں مطمئن رہیں۔ جب یہ جواب سید صاحب کی خدمت میں پہنچا تو سید صاحب نے نجف خان خانان کے پاس بھیج دیا۔ اس نے شکر یہ ادا کیا اور کہا کہ بزرگوں کی توجہ سے ایسا ہو جانا تعجب کی بات نہیں مگر بظاہر بہت ہی مشکل ہے کیونکہ سلطان وقت میرے حق میں نہایت بدگمان ہو گیا ہے اور حاسد لوگ ہر طرف سے ضرر پہنچانے کی فکر میں ہیں۔ حضرت شیخ کے مکتوب کو دس بارہ روز بھی نہ ہوئے تھے کہ بادشاہ کا دل خان خانان کی طرف سے صاف ہو گیا اور ملک دکن کی صوبہ داری پر بحال کر دیا۔

(۱۲) ایک سجادہ نشین بڑی محبت و اشتیاق سے فاصلہ دراز سے حضرت شیخ کی خدمت میں حاضر ہوا مگر آپ نے اس پر چنداں عنایت نہ فرمائی۔ آپ کے بعض مخلصوں نے عرض کیا کہ یہ شخص مشاہیر مشائخ سے ہے اور بڑے اخلاص سے فاصلہ دراز سے حاضر خدمت ہوا ہے۔ آپ اس کے حق میں کرم فرمائیں۔ حضرت نے فرمایا ہاں میں ایسا ہی گمان کرتا تھا، مگر میں اس کی پیشانی پر خطِ علی میں لفظ انکار لکھا ہوا دیکھتا ہوں۔ کیا کیا جائے۔ یہ سن کر یاروں کو تعجب ہوا۔ کچھ مدت کے بعد حضرت کی فرست کے آثار ظہور میں آئے۔ انھوں نے فرمایا انھوں نے فائدہ

بظہور اللہ۔

(۱۳) شیخ محمد مسعود جو حضرت شیخ کے چھوٹے بھائی اور حضرت خواجہ باقی باللہ کے مقبول مریدوں میں سے تھے، تجارت کے لئے قندھار گئے ہوئے تھے۔ اس اثنا میں ایک روز صبح کے وقت حضرت نے اپنے ایک خادم سے فرمایا کہ عجیب معاملہ ہے۔ میں ہر چند محمد مسعود کے احوال کی طرف متوجہ ہوا اور چشم برکاف سے اس کو تلاش کیا۔ مگر روئے زمین پر کہیں اس کو نہ پایا۔ بعد ازاں جب میں بغور متوجہ ہوا تو اس کی قبر نظر آئی

کراچی فوت ہوا ہے۔ سامعین نے تاریخ اور دن لکھ لیا۔ چند روز کے بعد اس کے ساتھی واپس آ گئے اور انہوں نے اس کے مرنے کی تاریخ اور دن وہی بتایا، جو حضرت شیخ نے بیان کیا تھا۔

(۱۳) جن دنوں میں حضرت شیخ اجیر شریف تشریف رکھتے تھے، رمضان کا مہینہ عین برسات میں آیا۔ حضرت حسب عادت ختمات قرآنی میں مشغول ہو گئے۔ پہلی رات نماز تراویح میں بیس پاروں نے ایک مسجد میں جو نہایت تنگ تھی نماز ادا کی۔ تعفن سے حضرت کو اور درویشوں کو تکلیف پہنچی۔ نماز ادا کرنے کے بعد حضرت کی زبان مبارک سے نکلا کہ جو ختمات ہم نے قرآن دیے ہیں ان کے اختتام تک اگر بفضل الہی راتوں کو بارش نہ ہو، تا کہ مسجد کے باہر تراویح پڑھی جائیں تو یہ بڑی نعمت ہے چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ ستائیسویں رات تک چار ختم ہوئے اور کسی رات بارش نہ ہوئی اور اٹھائیسویں تاریخ سے رات کو پانی برسنا شروع ہوا۔

(۱۵) وہی مسجد جس کا اوپر ذکر ہوا اس کی ایک بنیادی دیوار کمزور ہو گئی تھی اور وہ ایک طرف کو اس قدر جھک گئی تھی کہ اکثر نمازی اور آنے جانے والے خیال کرتے تھے کہ آج نہیں تو کل گر جائے گی۔ ایک روز حضرت شیخ نے خوش طبعی کے طور پر فرمایا کہ جب تک فقراء یہاں ہیں۔ ان کی خاطر سے نہ گرے گی۔ بقول اکابر کہ ہزلنا جہڈ ایسا ہی وقوع میں آیا۔ جس روز حضرت نے وہاں سے کوچ کیا۔ آپ کا اس مسجد کے محاذات سے اوجھل ہونا تھا کہ وہ دیوار یکبارگی گر پڑی۔

(۱۶) ایک امیر نے حضرت شیخ سے عرض کیا کہ میں جوانی سے گزر کر بڑھاپے کو پہنچ گیا، مگر کوئی فرزند پیدا نہ ہوا۔ جو میرے بعد صفحہ روزگار پر میری یادگار رہتا۔ اس بارے میں آپ توجہ فرمائیں۔ حضرت کچھ دیر تک مراقبہ رہے، پھر فرمایا کہ لوح محفوظ میں اس موجودہ بیوی سے تمہاری قسمت میں کوئی اولاد نہیں ہے۔ اگر دوسری شادی کرو تو اولاد ہوگی اور تمہارے بعد تمہاری یادگار رہے گی۔ اتفاقاً اس کی بیوی نے وفات پائی اور دوسری بیوی سے اس کی شادی ہو گئی جس سے ایک لڑکا اور ایک لڑکی پیدا ہوئی اور یہ دونوں اس کے بعد یادگار رہے۔

(۱۷) شیخ نور محمد اناری جو حضرت شیخ کے قدیم مرید اور صاحب اجازت تھے اور آٹھ بار حضرت رسالت پناہ ﷺ کی زیارت سے مشرف ہو چکے تھے، بیان کرتے ہیں کہ میرے بھائی کے گھر میں جن رہتا تھا جو ہمیشہ اس سے دشمنی کرنا تھا، یہاں تک کہ اس کی اذیت سے میرے بھائی نے انتقال کیا۔ میں بھی اسی گھر میں رہتا تھا۔ بھائی کے انتقال کے بعد بہت بہت ناک صورتیں میرے سامنے آنے لگیں اور بھولوں کی خوشبو مہکتی محسوس ہونے لگی۔ میرے بھائی کی بھی ابتدائی حالت یہی ہوئی تھی۔ میرے اقرباء یہ سن کر میری زندگی سے ناامید ہو گئے۔ ایک رات میں اپنی بیوی سے ہم بستر تھا اور بھی فارغ نہ ہوا تھا کہ وہ جن آ گیا اور ہم دونوں کے اوپر چڑھ کر بیٹھ گیا اور ہمیں ایسا دیا یا کہ ہم ہاتھ اٹھانے سے عاجز آ گئے۔ لحاف کو بھی اپنے اوپر سے نہ اٹھا سکے۔ ہم اسی بے قراری میں تھے کہ حضرت شیخ نمودار ہوئے اور آواز دی کہ نور محمد! کچھ خوف نہ کر۔ یہ جن ابھی بھاگ جائے گا کیونکہ شیطان کا مکر کمزور ہوتا ہے۔ جن نے حضرت کی آواز سنتے ہی ہم کو چھوڑ دیا۔ میں اٹھا اور حضرت غائب ہو گئے۔ اس کے بعد میرے گھر میں کسی کو جن کا آسیب نہ، وادار جنات دہاں سے جلا وطن ہو گئے۔ میں دیکھتا تھا کہ وہ اپنے ساز و سامان کو لے کر میرے گھر سے جا رہے ہیں اور یہ کہہ رہے ہیں کہ حضرت نے ہم کو جلا وطن کر دیا۔ اب ہم موضع شاد یوال میں جا کر ٹھہریں گے۔

(۱۸) جب حضرت شیخ کی عمر گرامی پچاس کے قریب ہو گئی تو آپ نے فرمایا کہ میں اپنی عمر کے پچاس اور ساٹھ کے درمیانی زمانہ میں اپنے اوپر ایک حادثہ ظلم پاتا ہوں اور اس وقت میں میری وفات کی نسبت قضائے معلق مشہور ہوتی ہے، مگر ساٹھ سال کے بعد جس میں اب بارہ برس باقی ہیں میرے انتقال کی نسبت قضائے مہرم و قلعی محسوس ہوتی ہے، چنانچہ ایسا ہی واقع ہوا، کیونکہ پچاس اور ساٹھ سال کے درمیانی زمانہ میں سلطان وقت نے آپ کو قلعہ گوالیار میں قید کر دیا اور وصال بھی ساٹھ سال کے بعد ہوا۔

(۱۹) ایک روز آپ نے اپنے خالص احباب سے فرمایا کہ مجھے دکھایا گیا ہے کہ میری عمر کے بارے میں قضائے مہرم تریسٹھ سال ہے۔ ماہ ذی الحجہ ۱۰۳۲ھ کے پہلے عشرہ میں آپ نے اجیر سے اپنے صاحبزادوں کو مرہند میں لکھا کہ اس دنیا سے انتقال کے قرب کے آثار دکھائی دے رہے ہیں چنانچہ اس کے ایک سال تین ماہ اور چند روز بعد حضرت کا انتقال وقوع میں آیا۔

(۲۰) حضرت شیخ نے ماہ شعبان ۱۰۳۳ھ میں شب برات کو خلوت خانہ میں شب بیداری کی۔ ناگاہ آدھی رات گزرنے کے بعد آپ گھر میں آئے۔ محمود تراویح کی والدہ کی زبان عصمت پناہ سے یہ بات نکلی کہ آج آجال و ارزاق کے تقدیر کی رات ہے۔ خدا جانے کس کا نام ورق ہستی سے جو کیا گیا اور کس کا ثابت رکھا گیا یہ سن کر حضرت شیخ نے فرمایا کہ آپ تو بلور شک و تردید کہہ رہی ہیں۔ اس شخص کا کیا حال ہوگا جو اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہے کہ اس کا نام اس دنیا کی زندگانی کے صحیفے سے محو کر دیا گیا اور اشارہ اپنی طرف فرمایا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ اس بات کے قریب ساڑھے چھ ماہ بعد آپ نے وفات پائی۔

ہم نے حضرت شیخ کے خوارق ذکر کرنے میں نہایت اختصار سے کام لیا ہے اور جو بیان کے ہیں وہ بھی بطور مشنہ نمونہ از فروار ہیں۔ وجہ یہ کہ کثرت خوارق سے کسی ولی کی شان نہیں برہتی۔ نہ نقلت سے کسر شان ہوتی ہے۔ چنانچہ حضرت شیخ خود یوں تحریر فرماتا ہے:

”خوارق کا کثرت سے ظاہر ہونا انضالیست پر دلالت نہیں کرتا۔ ایسا ہو سکتا ہے کہ ایک ولی جس سے کوئی خارق ظہور میں نہ آئے دوسرے ولی سے افضل ہو جس سے خوارق و کرامات ظہور میں آئے ہوں“ (مکتوبات۔ دفتر اول۔ مکتوب ۲۹۳)

اسی طرح آپ میر محمد نعمان رحمہ اللہ تعالیٰ کو لکھتے ہیں:

”آپ کو معلوم رہے کہ خوارق و کرامات کا ظاہر ہونا ولی ہونے کی شرط نہیں۔ جس طرح علماء خوارق و کرامات کے حصول کے ساتھ مکلف نہیں۔ اولیاء بھی خوارق کے ظہور کے ساتھ مکلف نہیں کیونکہ ولایت سے مراد قرب الہی ہے۔ جل سلطانہ جو خدا تعالیٰ اپنے ماسوا کے نسیان کے بعد اپنے اولیاء کو عطا فرماتا ہے۔ ایک شخص کو یہ قرب عطا کیا جاتا ہے اور اسے مخلوقات کے مغیبات پر کچھ اطلاع نہیں دی جاتی۔ ایک دوسرا شخص ہے جسے قرب بھی دیا جاتا ہے اور مغیبات پر مطلع بھی کیا جاتا ہے۔ ایک تیسرے شخص کو قرب سے کچھ نہیں دیا جاتا مگر مغیبات پر مطلع کیا جاتا ہے۔ یہ تیسرا شخص اہل استدراج سے ہے۔ نفس کی صفائی نے اس کو مغیبات کے کشف میں مبتلا کیا ہے اور مگر اسی میں ڈال رکھا ہے۔ آئیے کریمہ و محسبون انہم علی شنی الا انہم ہم الکذوبون۔ استحوذ علیہم الشیطن فانہم مذکور اللہ اولئک حزب الشیطن الا ان حزب الشیطن ہم المخسرون (سورہ بقرہ) ایسے ہی لوگوں کے حال میں وارد ہیں۔ پہلا اور دوسرا شخص جو ولایت قرب سے محروم ہیں اولیاء اللہ سے ہیں نہ کشف مغیبات ان کی ولایت میں زیادتی کرتا ہے اور نہ عدم کشف ان کی ولایت میں نقصان پیدا کرتا ہے۔ ان کا فرق یا ہتھیار درجہ قرب کے ہے۔ بہت دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ وہ شخص جسے صورتی کشف حاصل نہ ہو قرب الہی کی زیادتی کے سبب سے اس شخص سے افضل و پیش قدم ہوتا ہے جسے کشف حاصل نہ ہو، قرب الہی کی زیادتی کے سبب سے اس شخص سے افضل و پیش قدم ہوتا ہے جسے کشف حاصل ہو۔ (مکتوبات۔ دفتر دوم۔ مکتوب ۹۲)

تخلیغ و اشاعت:

پہلے بیان ہو چکا ہے کہ حضرت شیخ نے سترہ برس کی عمر میں علوم ظاہری سے فارغ ہو کر درس و تدریس اور تصنیف رسائل کے ذریعہ سے تخلیغ کا کام شروع کر دیا تھا۔ بعد ازاں حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہ سے اجازت ارشاد پا کر تلقین طلاب میں مشغول ہو گئے تھے اور حسب اشارہ میر بزرگوار لاہور میں اشاعت طریقتہ فرما رہے تھے کہ حضرت خواجہ نے وفات پائی۔ ان کے دصال کے بعد ان کے مسز شہین نے آپ سے تجدید بیعت کر کے استفادہ بالہنی جاری رکھا۔ آپ کے کمالات عالیہ کی برکت اور انوار رحمت کے فیض سے سلسلہ نقشبندیہ تھوڑے عرصہ میں ہندوستان میں دور دور شائع ہو گیا۔ اس کے بعد سلسلہ عالیہ مجددیہ ہندوستان سے باہر دیگر ممالک میں بھی پھیلنے لگا، چنانچہ تجدید و قومیت کے چھٹے سال شیخ طاہر بدخشی، شیخ احمد برکی، خواجہ یوسف برکی، شیخ حسن برکی، مولانا یار محمد قدیم طالقانی، مولانا صالح گولامی، شیخ عبدالحق شادمانی اپنے اپنے شہروں سے دور دراز سفر طے کر کے سر ہند شریف میں حاضر ہوئے اور سلسلہ عالیہ مجددیہ میں داخل ہوئے۔ یہ سب خلافت سے سرفراز ہو کر ذریعہ اشاعت طریقتہ بنے۔ تجدید کے بارہویں سال بہت سے جن بھی حضرت کے سلسلہ عالیہ میں داخل ہوئے، چنانچہ جنوں کا بادشاہ مع لشکر آپ کا مرید ہو گیا۔

تجدید کے چودھویں سال حضرت شیخ نے اپنے خلیفے بغرض ہدایت خلق دنیا کے اطراف میں روانہ کئے، چنانچہ سترہ اہل ارادت بسر کردی مولانا یار محمد قدیم طالقانی ملک ترکستان و تپچاق کو بھیجے اور چالیس ارادتمند بہن شام رومی کی طرف بسر کردی مولانا فرخ حسین روانہ فرمائے اور اپنے دس معتبر یا مولانا صادق کابلی کے تحت میں کاشغری کی طرف روانہ کئے اور تین بڑے بڑے خلیفوں کو بسر کردی مولانا شیخ احمد برکی توران بدخشان اور خراسان کی طرف رخصت کیا۔ ان خلفاء کی ہر جگہ بڑی عزت ہوئی اور ان ملکوں کے چھوٹے بڑے امیر و زبیر بادشاہ تک حضرت کے خلفاء کے مرید بن گئے۔ خراسان بدخشان اور توران میں تو طریقتہ عالیہ احمدیہ کا اس قدر رواج ہوا کہ وہاں کا کوئی شہر یا قصبہ ایسا نہ تھا جہاں اس سلسلہ کے خلفاء نہ ہوں، یہاں تک کہ عبداللہ خان اوزبک جو وہاں کا بادشاہ تھا حضرت کا ایسا معتقد ہو گیا کہ کوئی کام آپ کے خلفاء کے مشورے کے بغیر نہ کرتا۔

خلفاء کے علاوہ حضرت کے مکتوبات کے ذریعہ سے بھی تخلیغ و اشاعت ظہور میں آئی۔ مکتوبات کی پہلی جلد ۱۰۲۵ھ میں تمام ہوئی۔ جسے حضرت کے خلیفہ خاص شیخ یار محمد قدیم طالقانی نے جمع کیا تھا۔ لوگوں نے اس کی نقلیں حاصل کیں اور ایران توران بدخشان ماوراء النہر میں شائع ہوئی اور اس کا بہت اچھا اثر پڑا، چنانچہ تجدید کے بائیسویں سال ایک درویش شیخ سے ہندوستان آیا۔ اس کی وساطت سے وہاں کے اکابر نے

مشائخ میں سے سیادت چنا سید میرک شاہ اور شیخ المشائخ کبروی میر محمد اور میر مومن علی نے اور علماء میں سے مولانا ربانی حسن قنادانی اور مولانا نوک نے درخواستیں بھیج کر غائبانہ بیعت کی۔

اس مقام پر یہ بیان کر دینا بھی مناسب معلوم ہوتا ہے کہ حضرت مجدد الف ثانی نے تجدید و قومیت کے چند ہویں سال اپنے خلیفہ شیخ بدیع الدین سہارنپوری کو سلطان ہند جہانگیر کے لشکر کی خلافت دے کر بغرض اشاعت طریقہ آگرہ میں بھیجا جہاں اس سلسلہ عالیہ کا کوئی خلیفہ نہ تھا اور اسے تاکید کردی کہ مستقل مزاج رہنا اور ہماری اجازت کے بغیر وہاں سے نہ آنا، چنانچہ شیخ صاحب لشکر سلطانی میں تشریف لے گئے اور وہاں ان کو قبولیت عامہ نصیب ہوئی۔ ارکان سلطنت میں سے خان خانان، اعظم خاں، خانجماں لودھی، سکندر خاں، سید صدر جہاں، اسلام خاں اور مہتاب خاں وغیرہ داخل سلسلہ ہو گئے اور مجلس طاقت گرم ہونے لگی۔

حضرت شیخ نے درودِ روضہ میں ایک رسالہ لکھا تھا جس کا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے اور اپنی دیگر تحریرات میں بھی روضہ کے عقائد باطلہ کی تردید فرمایا کرتے تھے، اس لئے شیعہ آپ کے جسانی دشمن ہو گئے تھے۔ جہانگیر کا وزیر آصف جاہ شیعی تھا۔ اس نے جب خلیفہ بدیع الدین کے ارشاد کا حال سنا تو بہت بیچ و تاب کھایا اور بادشاہ سے کہہ دیا کہ آج کل شہر سرہند میں ایک سیاسی شخص احمد نام ہے جس کے بہت سے مرید ہیں۔ غیر ممالک کے بادشاہ تک اس کے نیاز مند و مرید ہیں۔ اس کا ایک خلیفہ یہاں لشکر میں بھی آیا ہوا ہے۔ آپ کے لشکر کے اراکین اس کے مرید ہو گئے ہیں۔ ایسا نہ ہوا کہ شیخ سرہندی آپ کی سلطنت پر ہاتھ ڈالے۔ شاہ اسماعیل صفوی نے مریدوں ہی کے ذریعہ سلطنت ایران پر قبضہ کر لیا تھا۔ اس اثنا میں شیخ صاحب بغرض اصلاح بعض امور وطن چلے آئے۔ حضرت شیخ کو جو خبر لگی تو خفا ہونے کے ہماری اجازت کے بغیر کیوں آئے۔ انہوں نے حاضر خدمت ہو کر عرض کی کہ میں پھر بغرض ارشاد آگرہ چلا جاتا ہوں۔ آپ نے فرمایا کہ دقت وہی تھا۔ اگر اب تم جاتے ہو تو تم جانتو تمہارا اختیار رہے۔ غرض شیخ صاحب پھر آگرہ پہنچے اور وہاں مخالفین کی ایک جماعت کو شہنشاہ آصف صاحب نے اور اپنے بلند احوال گوش گزار کئے بلکہ بعض ایسے واقعات و کشف ذکر کئے کہ جن کا ظاہر ناموجب فتنہ تھا۔ ان مخالفین نے بادشاہ کو یہ پتی پڑھائی کہ شیخ بدیع الدین کا سرہند جانا اور پھر آنا خالی از علت نہیں اور حضرت مجدد کے خلاف بہت کچھ کہا، جن میں سے ایک امر یہ بھی تھا کہ حضرت شیخ اپنے تئیں حضرت صدیق اکبر ؑ سے افضل جانتے ہیں اور کہتے ہیں کہ میرا مقام ان کے مقام سے اوپر ہے اور انہوں نے اپنے زعم فاسد میں اس کے ثبوت میں حضرت کا مکتوب ۱۱ جلد اول پیش کیا، جس میں آپ نے اپنا حال اپنے بہرہ رگوار کی خدمت میں یوں تحریر فرمایا ہے:

”جب مقام سابق سے اوپر کے مقام تک رسائی ہوئی تو معلوم ہوا کہ یہ مقام حضرت ذوالنورین کا ہے اور دوسرے خلفاء کا بھی اس مقام میں عبور واقع ہوا ہے اور یہ مقام بھی تکمیل و ارشاد کا مقام ہے۔ اسی طرح اوپر کے دو اور مقام بھی جن کا ذکر آتا ہے مقام تکمیل و ارشاد ہیں۔ مقام ذوالنورین سے اوپر ایک اور مقام نظر آیا۔ جب اس مقام تک رسائی ہوئی تو معلوم ہوا کہ یہ مقام حضرت فاروق کا ہے اور دوسرے خلفاء کا بھی وہاں عبور ہوا ہے اور اس مقام سے اوپر حضرت صدیق اکبر کا مقام ظاہر ہوا رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین۔ اس مقام پر بھی رسائی ہوئی اور اپنے مشائخ میں سے حضرت خواجہ نقشبند قدس اللہ سرہ الاقدس کو ہر مقام میں اپنے ساتھ پاتا تھا۔ خلفائے دیگر کا بھی اس مقام میں عبور واقع ہوا ہے۔ فرق صرف عبور و اقامت اور مرد و نبوت کا ہے اور اس مقام سے اوپر کوئی مقام مشہور نہیں ہوتا سوائے مقام حضرت خاتم المرسلین کے علیہ من الصلوٰات اتمہا و من التحیات اکملہا اور حضرت صدیق ؑ کے مقام کے مقابل ایک اور بہت عجیب نورانی مقام ظاہر ہوا کہ ایسا کبھی نظر نہ آیا تھا یہ مقام حضرت صدیق اکبر کے مقام سے ذرا اونچا تھا جیسا کہ چوتھے کورونے زمین سے اونچا کر لیتے ہیں۔ معلوم ہوا کہ وہ مقام مجربیت کا ہے اور وہ رنگین و منقش تھا۔ میں نے اپنے تئیں اس مقام کے عکس سے رنگین و منقش پایا۔“

القصہ بادشاہ جو سیر و سلوک صوفیہ کرام سے بالکل بے خبر تھا مخالفین کے دام فریب میں آ گیا۔ اس نے یہ حکم امتناعی نافذ کر دیا کہ لشکر یوں میں سے کوئی خلیفہ کے پاس نہ جائے اور عقیدت مند اراکین کو مختلف جگہ پر تبدیل کر دیا۔ چنانچہ خان خانان کو ملک دکن، مہابت خاں کو کابل، سید صدر جہاں کو بنگال، خانجماں لودھی کو ملک مالوہ اور خان اعظم کو گجرات بھیج دیا۔ بعد ازاں حاکم سرہند کو لکھا کہ شیخ مجدد کو خود لے کر حاضر ہوا اس طرح جب آپ بارگاہ سلطانی میں پہنچے تو آپ نے بادشاہ کو تجویز دینا شروع کر دیا کہ بادشاہ نے خلاف عادت حضرت پر کوئی اعتراض نہیں کیا اور بادشاہ سے کہنے لگا کہ یہ وہی شخص ہے جو اپنے تئیں حضرت صدیق اکبر سے افضل سمجھتا ہے۔ حضرت شیخ نے اس کا نہایت معقول و مدلل جواب دیا، پھر آپ سے سجدہ تہجد کو کہا گیا اور ہر چند کوشش کی گئی کہ آپ ذرا سر میں جھکا لیں، مگر آپ نے ہرگز نہ مانا۔

الغرض بادشاہ نے وزیر کی تحریک پر آپ کے لئے قید کا حکم دیا اور آپ قلعہ گوالیار میں بھیج دئے گئے۔ بادشاہ نے اس واقعہ کو تو ذک جہاںگیر کی میں یوں لکھا ہے:

دریں ایام (جمادی الاولیٰ ۱۰۲۸ھ) بعرض رسید کہ شیخ احمد تام شیاوے در سر ہند دام زرق و مساویں فرد چیدہ بسیارے از ظاہر پرستان بے معنی را صید خود کرده۔ و بہ ہر شہرے و دیارے یکے از مریدان خود را کہ آئین دکان آرائی و معرفت فردشی و مردم فریبی را از دیگران پندہ تر و اند خلیفہ نام نہادہ فرستادہ۔ و از مخر خافتے کہ مریدان و معتقدان خود نوشتہ کتابے فراہم آورده مکتوبے نام کردہ۔ و در اس جنگ مہملات با مقامات الاطائل مرقوم گشتہ کہ بکفر و زندہ منجرے شود۔ از انجملہ در مکتوبے نوشتہ کہ در اثنائے سلوک گزرم بمقام ذوالنورین افتاد۔ مقاصد و دیدم بغایت عالی و خوش بھفا۔ از آنجا در گزشتہم۔ بمقام فاروق پیوستہم۔ و از مقام فاروق بمقام صدیق عبور کردم۔ و ہر کدام را بھضر یفے در خواں نوشتہ و از آنجا بمقام محبوبیت واصل شدہ مقاصد مشاہدہ افتاد بغایت منور و ملون۔ خود را بانواع انوار و الوان منعکس یا ثتم یعنی استغفر اللہ از مقام خلفاء در گزشتہ بعانی مرتبت رجوع نمودہ۔ و دیگر گستاخیا کردہ نوشتن آں طولے دار و و از ادب دوراست۔ بنا بریں حکم فرمود کہ بدرگاہ عدالت آئیں حاضر سازند۔ حسب الحکم بملازمت پیوست۔ و از ہر چہ پر سیدم جواب معقول نتوانست سامان نمود۔ و با عدم خرد و دانش بغایت مغرور و خود پسند ظاہر شد۔ صلاح حال او منحصر دریں دیدم کہ روزے چند در زندان ادب محبوس باشد تا کہ شوریدگی مزاج و آشفتگی و ما شغل قدرے تسکین پذیرد۔ و شورش عوام نیز فرو نشید۔ لاجرم بانے راے سنگدلن حوالہ شد کہ در قلعہ گوالیار مقید دارد۔“

اس عبارت فارسی سے ظاہر ہے کہ بادشاہ نے جو حضرت شیخ اور آپ کے مکتوبات اور آپ کے خلفاء کی نسبت در پیدہ ذہنی کی ہے وہ کسی دوسرے کے کہنے سے کی گئی ہے۔ مکتوبہ ۱۱ جلد اول کا جو حوالہ دیا ہے۔ اگر ہم بنظر انصاف غور کریں تو اس سے یہ امر ہرگز ثابت نہیں ہوتا کہ آپ کا مقام حضرت صدیق اکبر ؓ کے مقام سے اعلیٰ ہے کیونکہ کسی مقام پر وصول و رسائی اور بات ہے اور اس مقام کا حصول و یافت اور سلاطین اپنے اپنے خادم کو خدمت کے لئے اپنے پاس بلا لیتے ہیں اور وہ امراء کے مقام سے گزر کر پیشی میں حاضر ہوتا ہے، پھر اپنے مقام پر واپس جا کر کھڑا ہوا جاتا ہے۔ اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ اس نوکر کا مرتبہ امراء کے مرتبہ سے زیادہ ہے، و دیگر یہ کہ حضرت نے فرمایا ہے کہ میں نے اپنے تئیں اس مقام تکس سے رنگین و متشغیل پایا۔ یہ نہیں فرمایا کہ میں اس مقام پر پہنچ گیا دیکھئے سورج چوتھے آسمان پر ہے اور اس کا انعکس زمین پر روشن ہے مگر اس سے یہ نہیں کہہ سکتے کہ زمین مقام آفتاب پر پہنچ گئی۔ خود حضرت شیخ کے ارادت مندوں نے آپ سے عبارت زیر بحث کا صلہ دریافت کیا ہے اور آپ نے ان کو کافی جواب دیے ہیں (دیکھو مکتوبات۔ جلد اول مکتوبہ ۱۹۲، ۲۰۲، ۲۰۸ اور جلد ثانی مکتوبہ ۹۹) بادشاہ کا یہ لکھنا کہ حضرت شیخ معقول جواب نہ دے سکے، بالکل غلط ہے۔

حضرت شیخ کی قید کی خبر سن کر اراکین سلطنت میں سخت بے چینی پیدا ہوئی چنانچہ خان خانان، خان اعظم، سید صدر جہاں، اسلام خاں، مہابت خاں، مرتضیٰ خاں، تربیت خاں، خانجہاں لودھی، سکندر خاں، حیات خاں اور دریا خاں وغیرہ جو حضرت کے مرید تھے، باہم خط و کتابت کر کے بغاوت پر آمادہ ہو گئے، بالآخر حضرت نے ان سب کو تسلی و تسخنی کے خط لکھ کر بغاوت کرنے سے روک دیا۔ آپ ایام صس میں بھی تبلیغ فرماتے رہے، چنانچہ بہت سے کفار آپ کے دست مبارک پر مشرف باسلام ہوئے اور سینکڑوں کو داخل طریقہ فرمایا کہ آپ نے درجہ ولایت تک پہنچا دیا۔ ایام قید میں آپ نے کبھی بادشاہ کے لئے بدو عاندگی، بلکہ فرماتے تھے کہ اگر بادشاہ مجھے نظر بند نہ کرتا تو اتنے آدمی جو فوائد دینی سے مستفید ہوئے محروم رہ جاتے اور ہماری ترقی مقامات جو نزول بلا پر موقوف تھی وقوع میں نہ آتی، جیسا کہ ان مکتوبات سے ظاہر ہے جو آپ نے ان ایام میں صاحبزادگان اور دیگر ارادت مندوں کو لکھے ہیں۔ دو سال کے بعد بادشاہ اپنے کئے پر نادم ہوا اور حضرت شیخ کو اعزاز و اکرام سے اپنے پاس بلا کر معذرت کی اور آپ کا ایسا محبت بن گیا کہ آپ کو لشکر میں اپنے ساتھ رکھتا تھا اور شہزادہ خرم کو جو مقلب بہ شاہجہاں ہوا آپ کے مریدین کے زمرہ میں داخل کر دیا۔ بعد ازاں عالمگیر اورنگ زیب بھی اسی سلسلہ میں داخل ہوا اور امراء و وزراء کثرت سے سلسلہ مجددیہ میں منسلک ہوئے۔ القہہ حضرت شیخ لشکری زندگی میں بھی اپنی بے اختیار کاری کا خوب ذوق و لطف اٹھاتے رہے اور بدستور تبلیغ میں مشغول رہے۔ ۱۰۳۲ھ میں آپ امیر شریف میں تشریف رکھتے تھے کہ آپ کو قرب موت کے آثار محسوس ہوئے، آپ کو لشکر سے رخصت مل گئی وطن میں آکر آپ نے گوشہ اختیار فرمایا اور ارشاد کا کام اپنے صاحبزادے خواجہ محمد معصوم کے سپرد کر دیا۔

صاحبزادہ القمامات لکھتے ہیں کہ اگرچہ اس کے بعد بادشاہ اس امر سے نادم و پشیمان ہوا اور اس نے بہت سے عذر کئے، مگر یہ سب ادنیٰ

اس کے لئے نامبارک ہوئی اس کی سلطنت میں بہت شور و فتنہ پیدا ہوا۔ اس کے بعض بڑے علاقوں کو ایرانیوں نے غلبہ پا کر اپنے قبضہ میں کر لیا اور وہ خود مہلک کمزوریوں میں مبتلا ہو گیا۔ یہاں تک کہ اسی حال میں اس دنیا ت چل دی۔

اخلاق و عادات:

صبر و تکلیب، رضا و تسلیم، حسب حال ہر ایک کی تعظیم، لوگوں پر شفقت، صلہ رحم، ارباب حقوق کی رعایت، مریضوں کی عیادت، سلام میں سبقت، کلام میں نرمی آپ کا شیوہ حس تھا۔ آپ کا طریقہ عمل برعزبت تھا۔ عبادات و عادات میں نہایت احتیاط اور سنت کا کمال اتباع ملحوظ تھا، چنانچہ ایک روز کا ذکر ہے کہ آپ معارف کے لکھنے میں مشغول تھے۔ بول کے واسطے جو جلدی سے اٹھے تو بیت الخلاء میں داخل ہوئے پھر جلدی سے باہر نکل آئے۔ لوگوں کو حیرت ہوئی کہ کیوں اتنی جلدی چلے آئے۔ نکلنے ہی آپ نے پانی منگا کر انگوٹھے کو دھو یا اور پھر بیت الخلاء میں گئے۔ جب وہاں سے نکلے تو فرمایا کہ جب میں بیت الخلاء میں داخل ہوا تو دیکھا کہ میرے انگوٹھے پر سیاہی کا داغ ہے۔ جو حرف قرآنی کی کتابت کا سامان ہے، اس واسطے مناسب نہ سمجھا کہ سیاہی سمیت وہاں بیٹھوں۔ گو بول کی اشد ضرورت تھی لیکن ترک اوب کے مقابلہ میں آپ نے اسے روک رکھا۔ اسی طرح ایک روز جو بیت الخلاء میں داخل ہوئے تو غلطی سے پہلے دایاں پاؤں اندر رکھ دیا۔ اس روز احوال بند رہے۔

ایک دفعہ مولانا صالح خٹلانی علیہ الرحمۃ کو فرمایا کہ تھیلی میں سے چند ایک لوگ نکال لاؤ۔ وہ چھ دانے نکال لائے۔ آپ نے جنم ترک فرمایا کہ دیکھو یہ بھی صوفی ہیں۔ اس نے اتنا بھی نہیں سنا کہ اللہ و تر و صحب الموت۔ عدد طاق کی رعایت مستحب ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ کے پسندیدہ عمل کے عوض تمام دنیا و آخرت بھی دے دیں تو بھی کچھو کہ کچھ نہیں دیا۔

ایک روز آپ اپنے تخت پر تکیہ لگا کر بیٹھے تھے کہ جھٹ پٹ نیچے اترے اور فرمایا کہ مجھے تخت تلے ایک کاغذ دکھائی دیا ہے۔ معلوم نہیں اس میں کچھ لکھا ہے یا نہیں۔ آپ نے اتنی دیر بھی تخت پر بیٹھنا جائز نہ سمجھا کہ کسی کو حکم دیں کہ تخت تلے سے کاغذ نکالے۔ گویا آپ نے ایسی صورت میں تخت پر بیٹھنا بے ادبی سمجھا۔

ایک دفعہ کا ذکر ہے ایک حافظہ جس کے تپ فرشتہ تھا۔ قرآن شریف پڑھنے میں مشغول ہوا۔ جب حضرت شیخ نے نگاہ کی تو دیکھا کہ جہاں پر خود شریف رکھتے ہیں وہاں فرشتہ زیادہ ہے جہت اپنے تلے سے نکال دیا تاکہ اس حافظہ سے اونچے نہ بیٹھیں۔

حضرت شیخ کے دن رات کے احوال کو صحابہ و درو و طائف حضرت خواجہ محمد معصوم اور دیگر خلفاء نے شرح و بسط کے ساتھ لکھا ہے جس کے ایراد کی اس مختصر میں گنجائش نہیں۔ وقات:

حضرت شیخ ایام مرض میں تنہائی بہت پسند کرتے تھے۔ ایک روز حرم سرا کی دلہیز میں لیٹے ہوئے تھے فرمایا کہ اس سرما میں جو دو مہینے کے بعد آئے گی ہم اس گھر میں نہ سوئیں گے۔ حاضرین نے عرض کیا۔ کہ آپ شاید خلوت خانہ میں آرام فرمائیں گے۔ فرمایا کہ وہاں بھی نہیں اور نہ ان گھروں میں سے کسی میں۔ عرض کیا کہ پھر کس جگہ۔ فرمایا کہ میں دیکھ رہا ہوں جو ہونے والا ہے۔ ماہ ذی الحجہ ۱۰۳۳ھ کے وسط میں عارضہ شقیہ انفس نے غلبہ پایا۔ ان دنوں میں تقاضے حق سبحانہ کے شوق میں آپ رو پڑتے تھے۔ چند روز صحت بھی رہی۔ اسی اثناء میں خیرات و صدقات بکثرت وقوع میں آئے۔ بتاریخ ۱۲۔ محرم الحرام ۱۰۳۳ھ فرمایا کہ ابھی مجھے بتایا گیا کہ چالیس پچاس دن کے درمیان تجھے اس جہان سے اس جہان میں جانا پڑے گا اور میری قبر مجھے دکھائی گئی۔ بتاریخ ۲۳ صفر روز پنجشنبہ آپ نے درویشوں میں کپڑے تقسیم کئے۔

اگرچہ آپ پرضعف غالب آگیا تھا لیکن عبادات و وظائف کے اوقات میں سر موافق نہ آیا۔ بدستور ذکر شغل مراقبہ دن رات کے اوراد نماز باجماعت ادا کرتے رہے اور شریعت و طریقت کا کوئی دقیقہ فرو گزاشت نہ کیا۔ روز وصال کی شب کو آپ نے ان خادموں کو جو راتوں آپ کی خدمت کرتے رہے فرمایا تم نے بہت محنت کی، صرف آج کی رات اور محنت ہے کل تمہاری خلاصی ہو جائے گی، اس رات آپ بار بار یہ ہندی مصرع پڑھتے تھے۔

اے ملاوکت سوں سکھی سب جگ دینواں وار

اے محرم! آج وصال دوست ہے میں تمام جہان ٹا کر کرتا ہوں۔

اسی رات آپ نے وہ تمام دعائیں پڑھیں جن کا ذکر صحیحین میں ہے۔ رات کے آخری تیسرے حصہ میں اٹھ کر وضو کیا۔ تہجد کی نماز کھڑے ہو کر ادا کی اور فرمایا کہ یہ ہماری آخری نماز تہجد ہے اور واقعی ایسا ہی ہوا۔ جب صبح ہوئی تو فجر کی نماز باجماعت ادا کی۔ حسب عادت مراقبہ کیا۔ بعد ازاں اشراق بڑی دلجمعی سے ادا کی اور اس وقت کی ادعیہ مانورہ پڑھیں۔ اس کے بعد فرمایا کہ بول کے واسطے تمہارا لاؤ۔ خادم نے تمہارا حاضر کیا لیکن اس میں ریت نہ تھی آپ نے فرمایا کہ تمہارا لاؤ۔ ریت نہیں، احتمال ہے کہ پیشاب کے قطرے لباس پر گر گئے۔ اس

وقت بھی آپ نے بڑی احتیاط سے کام لیا۔ جب شمال میں ریت ڈال کر حاضر کیا تو فرمایا۔ اب اتنی فرصت نہیں کہ بول کروں اور تازہ وضو کروں۔ اب تو میں وضو سے ہوں۔ اس شمال کو لے جاؤ اور مجھے فرش پر لٹا دو، چنانچہ ایسا ہی کیا گیا جب آپ بستر پر سنت نبوی ﷺ کے مطابق لیٹے۔ یعنی سر شمال کی طرف رخ مبارک قبلہ کی طرف اور دایاں ہاتھ رخسار مبارک کے تلے تھا۔ اس حالت میں ذکر الہی میں مشغول ہوئے۔ جب حضرت خازن الرحمت رضی اللہ عنہ نے دیکھا کہ سانس جلدی آرہا ہے تو پوچھا کہ عزاج مبارک۔ فرمایا: اچھا ہے۔ دو رکعت نماز جو ہم نے پڑھی وہ کافی ہے۔ یہ آخری الفاظ تھے جو آپ نے فرمائے۔ اس کے بعد پھر کسی سے بات نہیں کی۔ صرف ذکر الہی میں مشغول رہے۔ القصہ آپ نے بروز سہ شنبہ وقت چاشت ایک پہر دن چڑھے ۲۸ ماہ صفر ۱۰۳۳ھ میں تریسٹھ سال کی عمر میں تریسٹھ دن بیمار رہ کر اس جہان قائی سے اللہ اللہ کہتے وصال فرمایا۔ انا لله وانا اليه راجعون۔



شیخ الحدیث

حضرت مولانا مفتی محمد صدیق ہزاروی

انٹرویو پینٹل: ابو محی الدین، منظور حسین اختر



اس ماہ دہلیس راہ کے ذریعے ہم جس عظیم شخصیت سے ملاقات کرنے جا رہے ہیں ان کے پورے خاندان کو خدمت دین کے خوالے سے امتیازی شان حاصل ہے۔ اس وقت آپ کے بھائی، بیٹے اور چھ بچے بیک وقت نو مساجد میں خطبات کے فرائض سرانجام دے رہے ہیں بلکہ آپ کے خاندان کی خواتین کو بھی مالہ فاضلہ ہونے کے اعزازات حاصل ہیں۔ آپ کے زیر اہتمام طلبہ کا ایک اور طالبات کے دو مدارس علوم دینیہ کا قیام پتھار ہے ہیں۔ آپ دو ٹی وی چینلز (اپنا ٹی وی اور لیک ٹی وی) اور دو اسلام آباد ریڈیو پر فقہی سوالات کے جوابات اور درس حدیث ارشاد فرماتے ہیں، قومی و بین الاقوامی سیمیناروں میں ستنگروں مقالات پیش اور اخبارات میں بے شمار مضامین سیر قلم کر چکے ہیں۔

ہماری مراد ہمارے جامعہ الازہر میں تدریس الائمہ کا کورس امتیازی شان سے مکمل کرنے والے، بیک وقت تین مساجد میں جمعہ کے خطبات اور دو جگہ ہفتہ وار درس حدیث دینے والے، ساٹھ سے زائد کتابوں کے مصنف، دو فاقی شرعی عدالت کے سابق مشیر، ذوال رویت ہلال کشمی (پنجاب) کے سابق ممبر، اتحاد بین المسلمین کشمی پنجاب کے سابق ممبر، جامعہ نظامیہ رضویہ، جامعہ تجویریہ اور جامعہ تاجدار مدینہ کے ممتاز مدرس، جماعت اہل سنت کے مرکزی ناظم تعلیم و تبلیغ، عالم اسلام کے ممتاز ادیب، خوبصورت تحریر و تقریر کے مالک، یادگار اسلاف، عاجزی و انکساری کے پیکر، شہود و نمائش سے کوسوں دور، شیخ الحدیث حضرت علامہ مفتی محمد صدیق ہزاروی سے ہے۔

آپ نے نہایت شفقت فرماتے ہوئے "ماہنامہ دہلیس راہ" کی ٹیم کو اپنے قیمتی وقت سے نوازا اور ہمارے قارئین کے لئے نہایت سود مند اسباق عطا فرمائے۔ آئیے دیکھتے ہیں کہ آپ نے ہمیں کون کون سی نوآوری کرنوں سے مستفید فرمایا ہے۔ (ادارہ)

☆ 15 ستمبر 1947ء موضع جہڑہ ڈاک خانہ چٹہ بٹہ تحصیل ضلع مانسہرہ (ہزارہ ڈویژن) صوبہ سرحد

☆ والدین کے متعلق، کیا والد صاحب بھی عالم دین تھے؟

☆ الحمد للہ، والد ماجد مولانا محمد عبداللہ رحمہ اللہ کا تعلق ایک روحانی خاندان سے تھا اور میرے جد امجد کی روحانی نسبت حضرت خواجہ عبدالرحمن چھوہری علیہ الرحمہ (چھوہر شریف ہری پور ہزارہ) سے نہایت کامل تھی اور میرے والد ماجد علیہ الرحمہ جید عالم دین تھے۔ موضع منڈہار میں پیدا ہوئے اور منصب امامت و خطابت موضع جہڑہ میں سنبھالا اور ہم سب بھائیوں کی پیدائش موضع جہڑہ میں ہوئی، جو کشمیر روڈ پر مانسہرہ سے تقریباً بارہ کلومیٹر کے فاصلہ پر سڑک کی دائیں جانب ڈیڑھ دو کلومیٹر دور پہاڑی کے اوپر واقع ہے۔ میں نے اپنے بچپن میں دیکھا کہ گاؤں کی مسجد میں ستراسی کے قریب طلباء والد گرامی علیہ الرحمہ سے علم حاصل کرتے تھے۔ جن میں سے اکثر کا تعلق ضلع مظفر آباد سے تھا۔ آج بھی کوئی نہ کوئی مہر سیدہ عالم دین آپ کا شاگرد موجود ہوگا۔

☆ تحدیثِ نعمت کے طور پر بتانا ضروری سمجھتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے والد ماجد کی خواہش کو شرف قبولیت عطا فرمایا اس وقت آپ کے بیٹے (مجھ سمیت) اور پوتے بیک وقت نومساجد میں جمعۃ المبارک کا خطبہ دیتے ہیں۔ آپ کے تین پوتے اور ایک پوتی شہادۃ العالمیہ کر چکے ہیں۔ ایک پوتا شہادۃ العالمیہ کا امتحان دینے والا ہے۔ اس وقت ان کے (میرے والد ماجد علیہ الرحمہ) کے چھ پوتے اور ایک پوتی درس نظامی کی تعلیم حاصل کرنے میں مصروف ہیں، جبکہ راقم کے علاوہ آپ کے دو پوتے اور دو پوتیاں مدرسہ خدمات انجام دے رہے ہیں۔ آپ کے پانچ پوتے اور دو پوتیاں حفظ قرآن مجید کی دولت سے مالا مال ہیں، جبکہ آپ کی اولاد کے زیر اہتمام طلباء کا ایک اور طالبات کے دو دینی ادارے علوم دینیہ کا قیام پہنچا رہے ہیں۔ آپ کے پوتے (یعنی میرے بھتیجے) مولانا حافظ عمر فاروق سعیدی جماعت اہل سنت صوبہ سرحد کے چیف آرگنائزر اور تنظیم المدارس (اہل سنت) پاکستان کے صوبائی ناظم اعلیٰ (ناظم صوبہ سرحد) ہیں اور نہایت موثر علمی جریدہ نوید سحر کے چیف ایڈیٹر ہیں، علاوہ ازیں جامعہ اسلامیہ حنفیہ عثمان آباد مانسہرہ کے ناظم اعلیٰ ہیں اور ان کے چھوٹے بھائی مولانا حافظ محمد ضیاء الحق بہترین مدرس تھے اور اعلیٰ پائے کے خطیب ہیں۔

☆ والدہ ماجدہ سے ہمارے والد گرامی کی دوسری شادی تھی اور ہماری والدہ اگرچہ زمیندار گھرانے سے تعلق رکھتی تھیں لیکن اس زمیندار گھرانے پر مذہبی چھاپ بہت گہری تھی۔ اس لئے ہم سب بھائیوں کی دینی تعلیم ان کی سرپرستی میں ہوئی۔ والد ماجد کے وصال کو اب نصف صدی کا عرصہ گزر چکا ہے۔

☆ ابتدائی تعلیم اور تعلیم کے مختلف مراحل

☆ ابتدائی تعلیم اپنے گاؤں کے پرائمری سکول میں حاصل کی، پانچویں جماعت سے مڈل کا امتحان پاس کرنے تک گورنمنٹ مڈل (اب ہائی سکول عطر شیشہ کشمیر روڈ پر واقع ہے) میں تعلیم حاصل کی نویں جماعت گورنمنٹ ہائی سکول مانسہرہ میں پڑھی (اس سال نویں کا امتحان پشاور بورڈ کے تحت ہوا تھا) دسویں جماعت گورنمنٹ ہائی سکول نمبر ۱۲ ایبٹ آباد میں پڑھنے کے بعد پشاور بورڈ سے میٹرک کا امتحان پاس کیا اور بعد کے امتحانات پر ایٹویٹ طور پر دیئے۔

☆ والد ماجد علیہ الرحمہ اپنی اولاد کو دینی تعلیم دلانے میں خصوصی دلچسپی رکھتے تھے۔ قرآن مجید ناظرہ اور فارسی میں کربالان سے پڑھا اور ابھی میں دوسری جماعت میں تھا کہ والد ماجد کا انتقال ہو گیا۔ فارسی کی کچھ ابتدائی کتب اپنے بڑے بھائی اور مرئی حضرت مولانا عبدالرشید رضوی مدظلہ سے پڑھیں جنہوں نے والد ماجد کے انتقال کے بعد جوانی کے ابتدائی مراحل میں گاؤں کی جامع مسجد میں امامت و خطابت کی ذمہ داری سنبھالی، اگرچہ موجودہ آج کل خواتین ناقابل اعتبار ہو گئی ہیں لیکن حقائق کو چھپانا ابھی مناسب نہیں۔ 1963ء میں جب میں ایبٹ آباد میں میٹرک کا امتحان دے رہا تھا تو والد ماجد علیہ الرحمہ بڑے بھائی کے خواب میں تشریف لائے اور میرے بارے میں فرمایا کہ اسے دینی مدرسہ میں داخل کرادو، چنانچہ اسی صبح قبلہ بھائی صاحب ایبٹ آباد تشریف لائے اور خواب کے حوالے سے والد ماجد علیہ الرحمہ کا حکم سنایا اور ساتھ ہی یہ بھی فرمایا کہ اگر تم کالج میں پڑھنا چاہو تو میں تمہیں کالج میں داخل کر دیتا ہوں یہ نہ سوچنا کہ بھائی کالج کے اخراجات سے گھبرا رہے ہیں لیکن ہمارے والد گرامی کے ذوق کی تکمیل تم سے ہو سکتی ہے۔ دراصل بڑے بھائی کا تعلیمی سلسلہ والد ماجد کے انتقال کی وجہ سے منقطع ہو گیا تھا اور ان سے چھوٹے اور مجھ سے بڑے بھائی مولانا محمد صابر زید جہڑہ بوجہ تعلیمی سلسلہ جاری نہ رکھ سکے، اس لئے اب سب کی نظر اس فقیر پر تھی کہ اس کے ذریعے والد ماجد کی پینٹا پوری ہو سکتی ہے۔ میں نے بخوشی اس بات کو قبول کیا اور امتحان کے فوراً بعد جامعہ اسلامیہ رہنما بے ہری پور میں

داخل ہو گیا، جو حضرت خواجہ عبدالرحمن چھوہروی علیہ الرحمہ نے قائم فرمایا تھا۔ 64-1963ء۔ حدیث اسلامیہ رحمانیہ ہری پوری میں تعلیم حاصل کی، 1965ء میں قلعہ دیدار سنگھ ضلع گوجرانوالہ میں استاذ العلماء علامہ محمد شریف ہزاروی مدظلہ سے اکتساب فیض کیا، 67-1966ء جامع العلوم خانیوال (مرکزی جامع مسجد) سے علوم دینیہ کی تکمیل ہوئی اور 1968ء میں معروف دینی درسگاہ جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور میں داخلہ لیا۔ 1969ء کے آخر میں موقوف علیہ سے فراغت پر دستار بندی ہوئی اور پھر اسی جامعہ میں 1975ء میں دورہ حدیث کیا اور الحمد للہ منظم المدارس کے امتحان میں ملک بھر میں پہلی پوزیشن حاصل کی۔ اس کے ساتھ ساتھ فاضل عربی اور ایف اے کا امتحان (صرف انگلش میں) لاہور بورڈ سے پاس کیا پھر شہادۃ العالمیہ کی بنیاد پر سیاسیات اور فارسی کے ساتھ بی اے کا امتحان پنجاب یونیورسٹی سے پاس کیا۔

☆ آپ کے اساتذہ کرام میں کون کون سے نام شامل ہیں؟
☆ چند اساتذہ کرام کے اسماء گرامی درج ذیل ہیں:

استاذ العلماء حضرت علامہ مولانا مہر الدین جماعتی رحمۃ اللہ علیہ
استاذ العلماء حضرت علامہ مولانا مفتی محمد عبدالقیوم ہزاروی رحمۃ اللہ علیہ
استاذ العلماء حضرت علامہ مولانا سید محمد زبیر شاہ رحمۃ اللہ علیہ
استاذ العلماء حضرت علامہ مولانا مفتی محمد ریاض الدین رحمۃ اللہ علیہ
استاذ العلماء حضرت علامہ مولانا غلام فرید ہزاروی رحمۃ اللہ علیہ
استاذ العلماء حضرت علامہ مولانا محمد عبدالکلیم شرف قادری رحمۃ اللہ علیہ
استاذ العلماء حضرت علامہ مولانا حسین الدین ہاشمی زید مجیدہ
استاذ العلماء حضرت علامہ مولانا محمد شریف ہزاروی مدظلہ
استاذ العلماء حضرت علامہ مولانا قاری محمد افضل رحمۃ اللہ علیہ
استاذ العلماء حضرت علامہ مولانا نور احمد ریاض مدظلہ ملتان
استاذ العلماء حضرت علامہ مولانا احمد حسین علیہ الرحمہ خانیوال
استاذ العلماء حضرت علامہ مولانا عبدالملک القمانوی مدظلہ ہری پور

☆ زمانہ طالب علمی میں رویہ کیسا تھا شوق سے پڑھتے تھے یا کہ جی کر اکر؟

☆ کوئی زیادہ شوق نہیں ہوتا تھا واجبی سا تھا اور اس میں کوئی شک نہیں کہ علمی حوالے سے شوق اس پیدا ہوا جب اپنے مربی استاذ العلماء حضرت مفتی محمد عبدالقیوم ہزاروی اور استاذ العلماء حضرت علامہ محمد عبدالکلیم شرف قادری علیہ الرحمہ کی شبانہ روز جدوجہد کا قریب سے مطالعہ کیا۔

☆ زمانہ طالب علمی کا کوئی یادگار واقعہ؟

☆ کوئی خاص واقعہ تو یاد نہیں لیکن استادوں کی شفقت کا ایک واقعہ ہے کہ مولانا غلام فرید ہزاروی رحمۃ اللہ علیہ (گوجرانوالہ) کے پاس خانیوال میں پڑھتا تھا کہ محلہ انہار کی ایک مسجد میں امامت کے فرائض ادا کرنے کی ذیولگی تھی۔ استاد محترم نے نیا نیا سائیکل خریدا تھا۔ میں وہ سائیکل لے کر نماز پڑھانے چلا جاتا۔ ایک مرتبہ عشاء کی نماز پڑھانے جا رہا تھا، راستہ میں دائیں بائیں درخت تھے اور سڑک پر پانی کھڑا تھا، اچانک مخالف سمت سے ایک جیزو رفتار بس آگئی اور ایسا ٹھوس ہوا جیسے اب میں بس کے نیچے چلا جاؤں گا۔ میں نے اچانک بریک لگائی۔ یوں لگا جیسے میں حاشیہ روٹنا ہو چکا ہے، لیکن اللہ کا خاص فضل کہ میں گرا بھی نہیں۔ میں نے استاد محترم کو ڈرکی سے بچھڑھٹایا لیکن چند دنوں بعد ہی انہیں کسی ذریعے سے علم ہو گیا تو انہوں نے مجھ سے واقعہ کی تفصیل پوچھی میں نے عرض کیا کہ سائیکل کو کچھ نہیں ہوا تو استاد محترم فرمانے لگے کہ سائیکل کو دفع کرو مجھے تہاری جان کی فکر ہے۔ اس طرح انہوں نے میری ہمت بندھائی۔ استادوں کی شفقت کا یہ واقعہ مجھے نہیں بھولتا۔

☆ آج کے طلباء کے لئے کوئی سبق

☆ آج کے طلباء کے لئے یہی سبق ہے کہ دور حاضر کے تقاضوں کو سمجھیں اور اس حوالے سے اسلام دشمن قوتوں کے اسلام کے خلاف پروپیگنڈہ کو سامنے رکھتے ہوئے اس طرح علم حاصل کریں کہ ان کا مت توڑ جواب دے سکیں اور مسلم معاشرے کے لئے بھی قابل تقلید زندگی کا نمونہ پیش کریں تاکہ معاشرتی بے اعتدالیوں کا قلع قمع ہو سکے۔ عربی بول چال، قرآن مجید کی صحیح تلفظ کے ساتھ تلاوت اور اسلام کی تعلیم کے ابلاغ کے لئے انٹرنیشنل زبان انگریزی سیکھیں۔ استاد کا احترام اس لئے کریں کہ ان سے علم حاصل کیا ہے، اس عقیم رشتہ کو دینی مفاد اور الٰہی

کی بیعت نہ چڑھائیں۔

☆ بیعت کب اور کس سے ہوئے؟ بیعت کے وقت آپ کی عمر کیا تھی؟

☆ ابتدائی طور پر غالباً 1966 یا 1967ء میں جب خانیوال میں زیر تعلیم تھا تو حضرت غزالی زماں رازی دوران امام اہل سنت حضرت علامہ سید احمد سعید کاظمی علیہ الرحمہ سے شرف بیعت حاصل کیا جب آپ ایک جلسہ میں خطاب کے لئے خانیوال تشریف لائے۔ بعد ازاں جب لاہور گیا تو دوبارہ آپ کے لاہور تشریف لانے پر تہدید بیعت کی۔ (سال یا دن نہیں) بیعت کے وقت میری عمر تقریباً بیس سال تھی۔

☆ مرشد منتخب کرنے کی کوئی خاص وجہ؟

☆ حضرت غزالی زماں علیہ الرحمہ کی شخصیت میں وہ تمام صفات بدرجہ اتم موجود تھیں جو ایک کامل مرشد میں ہونا ضروری ہے۔ علم، تقویٰ، نسی، شرافت، خاندانی نجابت، شفقت و رحمت وغیرہ۔ علاوہ ازیں اس وقت خانیوال میں جس عظیم شخصیت کی تربیت اور سرپرستی حاصل تھی اور ان سے شرف تلمذ حاصل تھا یعنی استاذ العلماء حضرت علامہ مولانا غلام فرید بزاروی علیہ الرحمہ ان کی روحانی نسبت بھی حضرت غزالی زماں علیہ الرحمہ سے تھی، ان وجوہ کی بنیاد پر آپ کا انتخاب یقیناً روشن مقدر کی عامتہ تھی اور بعد کے حالات نے اس فیصلہ پر مہر تصدیق ثبت کر دی۔

☆ مرید پر شیخ کے حقوق کیا ہوتے ہیں اور شیخ پر مرید کے کیا حقوق ہوتے ہیں؟

☆ دراصل مرید اپنے شیخ کے ہاتھوں بک چکا ہوتا ہے۔ بیعت کا لفظ ”بغ“ سے بنا ہے یعنی فروخت ہو جانا اور چونکہ مرشد ”صبغۃ اللہ“ (اللہ کا رنگ) کا واسطہ ہوتا ہے اس لئے مرشد کی اطاعت و حقیقت اللہ تعالیٰ اور رسول ﷺ کی اطاعت ہوتی ہے، اس لئے مرشد کی محبت، اطاعت اور ادب و احترام مرید پر لازم ہوتا ہے لیکن اس کے لئے ضروری ہے کہ کسی اللہ والے کو مرشد بنایا جائے اور مرشد کے ذمہ مرید کے حقوق یہ ہیں کہ وہ اس کی دینی و علمی اور عملی راہنمائی کرے اور اسے ”صبغۃ اللہ“ (اللہ کے رنگ) میں رنگ دے اور صحیح مسلمان بنا دے۔

☆ مرشد میں کیا کیا صفات ہونی چاہئے؟

☆ اعلیٰ حضرت عظیم البرکت حضرت امام شاہ احمد رضا خان فاضل بریلی رحمۃ اللہ علیہ اور صدر الشریعہ حضرت مولانا محمد امجد علی اعظمی (صاحب بہار شریعت) علیہ الرحمہ نے فرمایا کہ مرشد میں چار صفات کا پایا جانا لازمی ہے:

۱۔ صحیح العقیدہ سنی ہو

۲۔ کم از کم اتنی عربی جانتا ہو کہ فقہی کتب سے مسائل نکال سکتا ہو۔

۳۔ اس کا روحانی سلسلہ رسول اکرم ﷺ تک پہنچتا ہو۔

۴۔ فاسق معلن نہ ہو مثلاً واڑھی منڈا اور ظاہر ابد عمل شخص مرشد نہیں بن سکتا۔ اس طرح کوئی بد عقیدہ اور گستاخ رسول یا گستاخان رسول کو اپنا زبیر ماننے والا مرشد نہیں ہو سکتا۔

☆ امام اہل سنت غزالی زماں حضرت علامہ سید احمد سعید کاظمی رحمۃ اللہ علیہ جماعت اہل سنت کے بانی تھے اس حوالے سے آپ کچھ کہنا پسند فرمائیں گے؟

☆ امام اہل سنت غزالی زماں دوران حضرت علامہ سید احمد سعید کاظمی رحمۃ اللہ علیہ وہ عظیم شخصیت ہیں جن کے دل میں اللہ تعالیٰ نے اہل سنت کی تنظیم اور اتحاد کا درود کوٹ کر بھرا تھا۔ 1948ء میں آپ نے سیاسی حوالے سے اہل سنت کو جمعیت علماء پاکستان کے فورم پر اکٹھا کیا۔ غالباً 1962ء میں حضرت علامہ غلام جہانیاں، حضرت علامہ مفتی محمد حسین نعیمی علیہم الرحمہ اور دیگر علماء کے ساتھ مدارس اسلامیہ کو منظم کیا۔ 1974ء میں اسی تنظیم کی نشاۃ ثانیہ تنظیم المدارس (اہل سنت) پاکستان کے نام سے ہوئی اور آپ اس کے پہلے صدر منتخب ہوئے۔ اسی طرح مذہبی حوالے سے اہل سنت کو جماعت اہل سنت کے پلیٹ فارم پر اکٹھا کرنا آپ کا زریں کارنامہ ہے جو تاقیامت یاد رکھا جائے گا۔ آپ نے پیرانہ سالی اور عالت کے باوجود اہل سنت کے اتحاد و اتفاق کے لئے شانہ روز جدوجہد کی اور آج الحمد للہ آپ کے جانشین اور نشت جگر حضرت علامہ پروفیسر صاحبزادہ سید مظہر سعید کاظمی مدظلہ، جماعت اہل سنت کے مرکزی امیر ہیں۔ جگر گوشہ غزالی زماں حضرت صاحبزادہ سید حامد سعید کاظمی سیاسی میدان میں اہل سنت کی نمائندگی اور قیادت کا فریضہ انجام دے رہے ہیں اور آپ کے علمی جانشین حضرت صاحبزادہ سید ارشد سعید کاظمی تنظیم المدارس کے بینر نائب صدر کی حیثیت سے آپ کی امانتوں کی حفاظت کر رہے ہیں۔

☆ دینی کام کرنے میں کیسی رکاوٹوں کا سامنا کرنا پڑا؟ اور ان سے کیسے نبینے؟

☆ الحمد للہ۔ دینی کاموں کے سلسلے میں رکاوٹ نہیں آئی۔ کیونکہ عام طور پر رکاوٹیں دینی اداروں کے سربراہوں یا دینی تنظیموں کی قیادت کو

پیش آتی ہیں، میں نے ہمیشہ ور کی حیثیت سے کام کیا البتہ بعض بے اصول لوگوں کی وجہ سے رکاوٹیں پیدا ہوتی ہیں لیکن اللہ تعالیٰ کی ذات پر توکل سے کام آسان ہو جاتا ہے۔

☆ دینی کارکن کو پیش آمدہ رکاوٹوں کے موقع پر کیا کرنا چاہیے؟

☆ ایسے موقع پر وادائی، حکمت، توکل علی اللہ ایسے اسلحہ کی ضرورت ہوتی ہے، علاوہ ازیں برداشت اور صبر و تحمل کے ساتھ اپنی منزل کی طرف رواں دواں رہنے سے راستے خود بخود کھلتے جاتے ہیں۔

☆ دینی مخلص کارکن کے لئے کوئی سبق؟

☆ دینی مخلص کارکنوں کو حالات سے گھبرا کر اپنے مشن سے کنارہ کش نہیں ہونا چاہیے اور اس بات کو پلے بانڈھنا چاہیے کہ رات کی تاریکی بانا خرچ کے اجالے میں بدلتی ہے۔ ہر ادارے اور ہر تنظیم میں ایسے لوگ ہوتے ہیں جو اپنی مخصوص سوچ اور عمل کے ذریعے مخلص کارکنوں کے راستے میں کانٹوں کی طرح ہوتے ہیں لیکن سمجھدار آدمی کانٹوں سے الجھنے کی بجائے ان سے اپنے دامن کو بچاتے ہوئے پھولوں تک پہنچ جاتا ہے۔ کانٹوں سے الجھنے والا راستے میں دم توڑ جاتا ہے اور اگر ہمت کر لی جائے تو کانٹے منہ تکتے رہ جاتے ہیں۔

☆ اہل سنت و جماعت کون لوگ ہیں ان کی کیا خصوصیات ہیں؟ آج کل بہت سے فرقے اپنے آپ کو اہل سنت کہتے ہیں پہچان کیسے ہو؟

☆ اہل سنت و جماعت اپنی خصوصیات سے پہچانے جاتے ہیں اور یوں جعلی لوگوں کی پہچان آسان ہو جاتی ہے۔ اجمالی اور جامع جواب یہ ہے کہ ہر وہ کلمہ گو جو دین سے یوں وابستگی اختیار کرے کہ اس کے اعمال کی عمارت محبت رسول ﷺ، احترام صحابہ کرام و اہل بیت اور صلحاء امت یعنی اولیاء کرام سے کامل وابستگی کی بنیادوں پر قائم ہو اور بقول علامہ اقبال:

بمصطفیٰ برسائے خویش را کہ دیں ہمہ دوست

اگر با او نہ رسیدی تمام بو لہی است

ذکر رسول اس کی جان ایمان ہو اور حقوق اللہ اور حقوق العباد کی ادائیگی اس کی پہچان ہو۔

☆ اتحاد بین المسلمین کا حقیقی تصور کیا ہے؟

☆ اتحاد بین المسلمین کا تصور یہ ہے کہ جو مسائل متفق علیہ ہوں ان کی تبلیغ عام ہو اور اختلافی مسائل میں اپنے صحیح موقف پر قائم رہتے ہوئے بڑی برائی کے خلاف اشتراک عمل اور اتحاد کی فضا قائم کی جائے۔ اپنے مسلک حق کا سودا کر کے اتحاد، ایمانی روحانی موت سے رہلی اور قومی مسائل کے حوالے سے میدان خالی کر کے دوسروں کے حوالے کر دینا دانشمندی نہیں ہے در نہ نہ تو قوم معاف کرے گی اور نہ تاریخ۔

☆ فرقہ واریت پر کیسے قابو پایا جاسکتا ہے؟

☆ فرقہ واریت پر قابو پانے کی چند صورتیں ہیں:

۱۔ خطابات میں علمی عنصر کا پایا جانا

۲۔ اپنے مسلک کو گولی کے ذریعے منوانے کا کلچر ختم کرنا

۳۔ دولت کے حصول کے لئے نظائر کی حوصلہ شکنی

۴۔ مبلغین اور خطباء کا جاہل عوام کی رضا جوئی کی بجائے تبلیغ دین کو اپنا مشن بنانا۔

۵۔ تمام مکاتب فکر کے جید علماء کا متفق علیہ اور اختلافی مسائل کی نشاندہی کر کے اپنے اپنے مسلک کے لوگوں کو ضابطہ اخلاق کا پابند کرنا۔

☆ مختلف جہادی تنظیموں کے فلسفہ جہاد سے اختلاف ہے یا اتفاق؟

☆ اسلام میں "جہاد فی سبیل اللہ" کا تصور دیا گیا ہے اور جہاد فی سبیل اللہ کے بارے میں سوال پر رسول اللہ ﷺ نے واضح فرمایا کہ جہاد فی سبیل اللہ کا مقصد کلمہ حق کو بلند کرنا ہے جہاد کا مقصد فرقہ پرستی یا ملکی امن و امان کو تباہ کرنا ہو تو یہ جہاد فی سبیل اللہ نہیں، اس سلسلے میں حکومت کی ذمہ داری ہے کہ وہ جہاد فی سبیل اللہ کو پروان چڑھائے اس سے جہادی تنظیموں کی اصلاح ممکن ہو سکے گی ورنہ انتشار بڑھتا جائے گا۔

☆ سیاسی طور پر اہل سنت کی موجودہ حالت کیسے سدھر سکتی ہے؟

☆ جماعتی مفاد کو شخصی مفاد پر ترجیح دی جائے، قائدین اپنی فکراور سوچ سے کام لیں، حاشیہ نشینی کی حوصلہ شکنی کی جائے، خواہشات کی قربانی دے کر کارکن بننے پر فخر کیا جائے تو انشاء اللہ حالات بہتر ہوں گے۔



❁ کیا آپ نے عملی طور پر سیاست میں حصہ لیا؟ اگر نہیں تو کیوں؟ کیا سیاست کے میدان میں علماء اور مذہبی طبقہ کو آنا چاہئے، مگر ہاں تو کیسے؟ جی نہیں! کیونکہ میرے نزدیک تقسیم کار ضروری ہے۔ ہماری ناکامی کی بنیاد یہی وجہ تھی ہے کہ تقسیم کار نہیں، میری زندگی تعلیم و تعلم، تدریس و تفسیر و تالیف میں گزری اس لئے عملی سیاست میں حصہ لینے کے لئے وقت میں مصیبتیں نہیں۔ علاوہ ازیں مزاج بھی سیاسی نہیں، اگر ایسٹس کے ارباب فکر اور قائدین ہر شخص کے لئے اس کے ذوق اور صلاحیت کے مطابق میدان عمل کا انتخاب کریں تو بہتر نتائج نکلیں گے۔ یقیناً علماء اور مذہبی طبقہ کو سیاسی میدان میں آنا چاہئے لیکن جس طرح میں نے عرض کیا دیگر عملی، فکری، روحانی میدانوں کا بھی خیال رکھا جائے، البتہ نظام مصطفیٰ ﷺ کے سلسلے میں ذہن سازی ہر عالم کا فرض ہے تاکہ فکری انقلاب آئے اور ایسے لوگ قانون ساز اسمبلی میں پہنچیں جو دین اسلام سے تعلق ہوں۔

❁ لاہور میں کب، کیوں اور کیسے آئے؟

☆ 1967ء میں خانیوال میں زیر تعلیم تھا اور اسباق موقوف علیہ تک پہنچ چکے تھے لیکن جامعہ (جامع العلوم مرکزی جامع مسجد خانیوال) میں اس درجہ کی تصانیف کتب نہ تھیں اور بار بار توجہ دلانے کے باوجود جامعہ کی انتظامیہ اس طرف متوجہ نہ ہوئی تو اپنے استاذ گرامی استاذ العلماء حضرت علامہ مولانا غلام فرید ہزاروی علیہ الرحمہ (سابق ایم پی اے و خیاب اسمبلی) سے کسی دوسرے ادارے میں منتقل ہونے کی اجازت طلب کی اور اس مجبوری کی بنیاد پر انہوں نے اجازت مرحمت فرمائی، چنانچہ میں نے لاہور کے دو بڑے اداروں ”جامعہ نظامیہ رضویہ“ اور ”جامعہ نعیمیہ“ میں داخلہ کے لئے ان اداروں کے سربراہان کو خطوط بھیجے۔ اتفاق سے جامعہ نظامیہ رضویہ کی طرف سے جواب جلد موصول ہو گیا۔ ہمارے دادا استاذ شیخ الحدیث حضرت علامہ غلام رسول رضوی رحمۃ اللہ علیہ جو جامعہ نظامیہ رضویہ کے بانی بھی تھے اور حضرت محمد ث اعظم پاکستان علامہ محمد سردار احمد رحمۃ اللہ علیہ کے وصال کی وجہ سے جامعہ رضویہ فیصل آباد تشریف لے گئے تھے۔ ان دنوں جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور منتقل ہو گئے تھے اور حضرت استاذ العلماء مفتی محمد عبدالقیوم ہزاروی رحمۃ اللہ علیہ جو آپ کے تلمیذ رشید اور اس وقت جامعہ نظامیہ رضویہ کے مہتمم تھے، نے اہتمام و انصرام اور جامعہ سے متصل مسجد کی امامت و خطابت بھی اپنے استاذ گرامی کے حوالے کر دی چنانچہ مجھے داخلہ کی اجازت کا خط حضرت علامہ غلام رسول رضوی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا (کچھ دنوں بعد آپ واپس فیصل آباد تشریف لے گئے تھے)۔

❁ جامعہ نظامیہ آپ کے سامنے معرض وجود میں آیا اس کی تاریخ کے متعلق کچھ ارشاد فرمائیں۔ ان دنوں کی یادیں؟

☆ الحمد للہ اس ناچیز کے ۳۹ سال جامعہ نظامیہ رضویہ میں نہ صرف گزرے بلکہ جس قدر ممکن ہوا پھر پورے خدمات انجام دینے کا شرف بھی حاصل رہا۔ 1968ء میں جامعہ نظامیہ رضویہ میں داخلہ لیا اور 1969ء میں درس نظامی (موقوف علیہ) سے فراغت پر دستار بندی ہوئی، اس وقت میں کنگ منڈی مڑنگ کی مسجد میں امامت و خطابت کے فرائض انجام دے رہا تھا۔ سالانہ جلسہ دستار فضیلت کے موقع پر جامعہ نظامیہ رضویہ کے ناظم و دفتر حضرت مولانا غلام فرید ہزاروی کے بڑے بھائی کا انتقال ہو گیا، چنانچہ خاندانی ذمہ داریوں کی وجہ سے وہ وقتی طور پر جامعہ سے کنارہ کش ہو گئے۔ اس لئے حضرت استاذ محترم مفتی محمد عبدالقیوم ہزاروی رحمۃ اللہ علیہ نے مجھے مسجد سے استعفیٰ دے کر جامعہ میں آنے کا حکم فرمایا اور جامعہ کے دفتری امور اور جامع مسجد خراسیاں میں امامت و خطابت کی عارضی ذمہ داری سونپ دی اور ساتھ ہی فرمایا کہ جب جامعہ نظامیہ رضویہ میں دورہ حدیث کا آغاز ہوگا تو یہاں دورہ پڑھ لیتا جب کہ میرے دیگر ساتھی جن میں حضرت علامہ مولانا عبدالقواب صدیقی بھی شامل ہیں۔ دورہ حدیث کے لئے مختلف مدارس میں چلے گئے۔

دوسرے سال جب مولانا غلام فرید ہزاروی واپس آگئے تو مجھے تدریس کی ذمہ داری سونپ دی گئی اور 1975ء میں جب جامعہ میں دورہ حدیث شروع ہوا تو میں نے دورہ کیا اور الحمد للہ تنظیم المدارس کے امتحان میں ملک بھر میں پہلی پوزیشن حاصل کی۔ اس کے ساتھ ساتھ محلکہ اوقاف میں میری تقرری ہو گئی اور جامع مسجد خراسیاں میں خطابت اور امامت کی مستقل ذمہ داری سنبھالی۔ حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ بڑے بڑے اسباق پڑھاتے اور اس کے ساتھ ساتھ عمارت کے لئے نقشہ کی منظوری اور جامعہ کے اخراجات کے لئے فنڈز کی فراہمی کے لئے جدوجہد بھی فرماتے تھے۔ اس لئے ضروری تھا کہ جامعہ کے اندرونی معاملات سے آپ کو اطمینان حاصل ہو، لہذا دارالاقامہ کی ذمہ داری حضرت مولانا غلام فرید ہزاروی نے سنبھالی اور تعلیمی نظام کے حوالے سے راقم نے اپنا کردار ادا کیا۔ چنانچہ حضرت مفتی صاحب علیہ الرحمہ کے بھرپور اعتماد نے ناچیز کے جذبہ محنت کو دو چند کر دیا اور یوں میں نے امتحانی نظام قائم کیا اور لاہور بری قائم کی اس وقت تک چند درسی کتب تھیں جو جامعہ کے دفتر میں ایک الماری میں رکھی گئی تھیں۔ جامعہ کے متصل محلہ خراسیاں کے چند نوجوانوں نے انجمن احیاء الاسلام کے نام سے ایک تنظیم قائم کر رکھی تھی جس کے تحت ایک پبلک لائبریری بنائی گئی، بوجہ انجمن قائم نہ رہی اور لاہور بری کی کتب جامعہ کو مل گئیں، تو میں



نے اس کمرے میں جہاں بعد میں مکتبہ قادریہ بنایا گیا لائبریری بنائی اور جناب پروفیسر شاہ فرید الحق سے اس کا افتتاح کروایا۔ بعد میں لائبریری مختلف کمروں میں منتقل ہوتی رہی۔ الحمد للہ اس کے آغاز اور روز افزوں ترقی کا اعزاز اس ناچیز کو حاصل ہوا۔ 1976ء میں تنظیم المدارس کے دفتر کا مکمل نظام بھی راقم کی ذمہ داری میں دے دیا گیا۔ الحمد للہ اراقم نے کسی لالچ کے بغیر یہ تمام ذمہ داریاں نہایت دیانت داری سے نبھائیں۔ اس کے ساتھ ہی جامعہ میں طلباء کی بزم، "بزم رضا" کو فروغ دیا، انجمن اتحاد طلباء، المدارس العربیہ قائم کی اور جامعہ میں انجمن طلباء اسلام کی شاخ قائم کی۔

اس وقت حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ جامعہ کی نئی عمارت کی تعمیر کے لئے جدوجہد جاری رکھے ہوئے تھے، چونکہ جامعہ کے اندر کارپوریشن کا پرائمری سکول قائم تھا جو نقشہ کی منظوری میں رکاوٹ تھا۔ آپ نے بڑی حکمت عملی کے ساتھ اس مسئلہ کو حل کیا اور نقشہ کی منظوری حاصل کی۔ علاوہ ازیں محلے کے چند بدتماش لوگوں نے جامعہ کے ایک حصے پر قبضہ قائم کر رکھا تھا اور وہ لوگ اس وقت کی برسر اقتدار پارٹی کے کارکن تھے، چنانچہ وہ لوگ جامعہ کی تعمیر میں رکاوٹ تھے۔ حضرت استاذ اکرم کو بڑی جدوجہد کرنا پڑی۔ جس پامردی سے آپ نے ان کا مقابلہ کیا یہ آپ ہی کا حصہ تھا۔ اس وقت آپ کے جن شاگردوں نے صبح شام آپ کے دست و بازو بن کر کام کیا اور بد معاشی اور غنڈہ گردی کا نشانہ بننے رہے، ان میں ایک حضرت مولانا غلام فرید ہزاروی اور دوسرا راقم تھا جو چوبیس گھنٹے مشکلات سے دوچار رہے۔ البتہ دن کے وقت حضرت مولانا عبد التواب صدیقی بھی اس سفر میں شریف رہنے باقی سب لوگ بعد میں آئے ہیں۔

جامعہ نظامیہ کی تاریخ جدوجہد، محنت اور اخلاص ایسے خصائل سے بھرپور ہے۔ حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ جامعہ نے کی ترقی میں بھرپور کردار ادا کیا دن دیکھا نہ رات، ہارٹس دیکھی نہ دھوپ، بلکہ آپ نے اپنی زندگی سے سکون اور آرام نام کی ہر چیز کو خارج کر دیا۔ الحمد للہ آپ کی اسی محنت کے نتیجے میں نہ صرف لاہور میں جامعہ کی عالیشان عمارت کھڑی ہو گئی بلکہ شیخوپورہ میں کئی فلک پوش عمارتیں اس مرد مجاہد کی دین دوستی، علم پروری اور اخلاص کا منہ بولا ثبوت ہیں۔

جب راقم نے لائبریری کی ذمہ داریاں سنبھالیں تو نظامت تعلیم سے اور اس کے بعد لائبریری کی خدمات سے دستبردار ہو گیا کیونکہ اب تدریس اور تنظیم کی اہم ذمہ داریوں کی وجہ سے ضروری ہو گیا تھا کہ یہ کام دوسرے حضرات کے سپرد کر دیا جائے۔

✽ حال ہی میں آپ نے جامعہ نظامیہ میں تدریس چھوڑی ہے اس کی کوئی خاص وجہ؟

✽ اس کی دو وجہیں ہیں ایک تو قضا و قدر کا فیصلہ اور دوسری وجہ راقم کی اصول پسندی اور حساس طبیعت۔ (انتہائی کافی ہے)

✽ آپ کی نظر میں دور حاضر کا بے مثل عالم دین کون؟

✽ ہر دور عالم دین جو اپنے شعبے (تدریس، تصنیف، تبلیغ وغیرہ) میں اخلاص، دیانت، انتھک محنت اور عصری تقاضوں کے مطابق مصروف عمل ہو۔

✽ زندگی میں کون کون سے سیاسی ادوار یا حکومتیں دیکھیں؟

✽ سن شعور کو پہنچا تو ایوب خان کی حکومت تھی اس کے بعد کی تمام حکومتوں کو دیکھا۔

✽ زندگی میں کون کون سی یادگار تحریکیں دیکھیں اور کن کن میں حصہ لیا؟

✽ دو یادگار تحریکیں دیکھی ہیں تحریک ختم نبوت 1974 اور تحریک نظام مصطفیٰ 1977ء، تحریک ختم نبوت میں، میں اپنے علاقہ کو باری منڈی لاہور میں مجلس تحفظ ختم نبوت کا صدر تھا۔ جلسوں جلوسوں میں شرکت کی حد تک حصہ لیا کوئی قابل ذکر بات نہیں کیونکہ دور طالب علمی اور پھر تدریسی تنظیمی مصروفیات کی طرف توجہ تھی۔ سوشلسٹ لیڈر بھاشانی کے خلاف لاہور میں علماء اہل سنت نے جلوس نکالا تو ہم نے انجمن اتحاد طلباء مدارس عربیہ کے تحت بھرپور شرکت کی اور میں اس تنظیم کا سیکرٹری جنرل تھا۔ مفتی اعظم پاکستان حضرت علامہ ابو البرکات سید احمد رحمۃ اللہ علیہ نے خاص طور پر مجھے بلا یا اور دس روپے انعام دیا۔

✽ آپ کی ازدواجی زندگی؟ شادی کب، اولاد کتنی؟

✽ 1974ء میں شادی ہوئی چار بیٹیاں اور تین بیٹے ہیں

✽ کیا بچے دینی علم حاصل کر رہے ہیں؟

✽ الحمد للہ بڑا بیٹا دورہ حدیث میں ہے۔ الف اے اور فاضل عربی کر چکا ہے خطابت کے فرائض بھی انجام دے رہا ہے۔ دوسرا بیٹا بھی درس نظامی پڑھ رہا ہے اور تیسرا بیٹا نویں جماعت کا طالب علم ہے۔

✽ اکثر علماء کے بچے علم دین کی طرف نہیں آتے اس کی کیا وجہ ہے؟

☆ اس کی کئی وجوہ ہیں ماں باپ کا ناجائز لاڈ پیار، نادان دوستوں کی مہربانیاں کہ علماء کی اولاد کو صابزادگی کے منصب پر بٹھا دیتے ہیں اور بعض اوقات ماحول اثر انداز ہوتا ہے۔

☆ آپ کا پسندیدہ شاعر اور پسندیدہ شعر؟

☆ میرا پسندیدہ شاعر، اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ اور علامہ اقبال ہیں اور پسندیدہ شعر کا تعین مشکل ہے البتہ اعلیٰ حضرت کا یہ شعر بہت پسند ہے

پیش نظر وہ نو بہار سجدے کو دل ہے بے قرار

روکنے سر کو روکنے ہاں یہی وقت امتحان ہے

اس شعر میں محبت رسول اور شریعت کی پاسداری کا حسین امتزاج ہے اور منافقین امام اہل سنت کے مکروہ پروپیگنڈہ کے تار و پود بکھرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔

☆ اساتذہ میں کسی سے متاثر؟

☆ شاگرد کے لئے تمام اساتذہ مشعل راہ ہوتے ہیں البتہ جہد مسلسل اور جذبہ خدمت دین کے حوالے سے اساتذہ گرامی اساتذہ العلماء حضرت مفتی محمد عبدالقیوم ہزاروی اور اساتذہ محترم اساتذہ العلماء، علامہ محمد عبدالحکیم شرف قادری رحمۃ اللہ علیہ سے زیادہ متاثر ہوں۔

☆ محبت کیا ہے؟

☆ اخلاص کو محبت کا نام دیا جائے تو زیادہ مناسب ہے کیونکہ محبت محبوب کے لئے سب کچھ فنا کر دینے کا نام ہے جو اخلاص کے بغیر ممکن نہیں۔

☆ آپ کے نزدیک ”زندگی“ کی تعریف؟

☆ پیدائش اور موت کے درمیان وہ وقت جو ابھی زندگی کی راہیں کھول دے

☆ زندگی کا وہ حصہ جسے آواز دینے کو بجی چاہے؟

☆ بچپن کا دور جب کسی بات کی پریشانی نہ ہوتی تھی۔

☆ زندگی میں کسی چیز کی کمی محسوس کرتے ہیں؟

☆ دنیوی اعتبار سے اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم ہے۔ اخروی فکر کی کمی محسوس کرتا ہوں۔

☆ پسندیدہ موسم؟

☆ موسم سرما جس کی طویل راتوں میں تصنیف و تالیف کے لئے کافی وقت مل جاتا ہے۔

☆ چوبیس گھنٹوں میں کون سا وقت اچھا لگتا ہے؟

☆ صبح کا وقت اچھا لگتا ہے جب نئی زندگی ملتی ہے۔

☆ زندگی کا خوبصورت ترین دن؟

☆ 1986ء کا وہ دن جب صبح ناشتہ کے وقت سے رات عشاء کے بعد تک پورا دن اپنے مرشد گرامی حضرت غزالی زماں رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضری کا موقع ملا۔

☆ قیام پاکستان کے بعد پاکستان میں کون سا دور حکومت اچھا تھا؟

☆ ہر پہلا دور بعد والے دور سے بہتر تھا، نظام مصطفیٰ کے حوالے سے کوئی دور بھی بہتر نہیں رہا۔

☆ بار بار سچھانے پر بھی اگر کوئی نہ مانے یا سمجھے تو کیا کرتے ہیں؟

☆ کوشش جاری رکھی جائے اور انداز بدل لیا جائے کیونکہ کوشش کبھی رائیگاں نہیں جاتی۔

☆ بادل، بارش یا دھوپ کیا اچھا لگتا ہے؟

☆ سردیوں میں دھوپ اور گرمیوں میں بادل اور بارش

☆ بیرون ملک جانے کا اتفاق ہوا؟

☆ الحمد للہ! بیرون ملک دو مقدس سفر کئے پہلا سفر 1994ء میں حرمین طہیین کا اور دوسرا سفر 2004ء میں مصر کا جہاں جامعہ اذہر میں تدریس الائمہ کورس میں شریک ہوا۔

☆ دیہات اچھے لگتے ہیں یا شہر؟

☆ اپنے اپنے حوالے سے دونوں اچھے لگتے ہیں، بہر حال وسائل مہیا ہوں تو دیہات کے پرفضا ماحول کا کیا کہنا۔

☆ پہاڑ، ریگستان یا جنگل کیا اچھا لگتا ہے؟

☆ کبھی تجربہ نہیں ہوا

☆ چاندنی کسی لگتی ہے؟

☆ چاندنی بہت اچھی لگتی ہے۔

☆ کامیابی کے لئے کس بات پر یقین رکھتے ہیں؟

☆ جدوجہد کے ساتھ ساتھ بزرگوں کی دعا۔

☆ زندگی میں کبھی کسی ناکامی کا بھی سامنا کرنا پڑا؟

☆ الحمد للہ! کبھی ناکامی کا سامنا نہیں ہوا۔ بعض اوقات ظاہری ناکامی ہوتی ہے لیکن میرے نزدیک ناکامی اپنے مشن سے پھر جانے کا نام ہے

☆ قبولیت دعا کا وقت، ہوتا تو اللہ سے کیا مانگیں گے؟

☆ حرمین مطہرین کی حاضری، اولاد کی صالحیت اور خاتمہ بالایمان

☆ آپ کا پسندیدہ لباس؟

☆ سفید رنگ کی قمیص اور شلوار۔ اگرچہ مجبوراً بعض اوقات دوسرے رنگ کا لباس بھی پہن لیتا ہوں لیکن جمعہ المبارک اور عیدین کے لئے

سفید لباس پہننا لازم کر رکھا ہے۔

☆ آپ کی پہلی تصنیف؟

☆ ”تعارف علماء اہل سنت“ جو تنظیم المدارس کے امتحان درجہ عالمیہ کے لیے لکھا گیا مقالہ تھا۔

☆ آپ کی سب سے پہلی تقریر؟

☆ سکول کے زمانے میں تقریر نہیں کی، جامعہ رحمانیہ ہری پور میں داخلہ کے بعد بزم میں سب سے پہلی تقریر کی تھی۔

☆ آپ کا سب سے پہلا شاگرد؟

☆ فراغت کے بعد جامعہ نظامیہ رضویہ میں تدریس شروع کی تو صرف کی کلاس میں کئی طلبہ تھے کسی ایک کا تعین نہیں کیا جاسکتا۔

☆ ادارہ جس میں آپ نے سب سے پہلے تدریس شروع کی؟

☆ سب سے پہلے جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور میں تدریس شروع کی۔

☆ آپ نے احیاء العلوم کا ترجمہ کیا غزالی کے بارے میں اس کتاب کی روشنی میں آپ کیا کہنا چاہیں گے؟

☆ حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ واقعی علم کا سمندر اور تقویٰ کا صحیح نمونہ تھے۔ ان کی تحریر قاری کی زندگی میں انتساب پیدا کرتی ہے۔

☆ علمی اور ادبی حوالے سے آج کل آپ کن موضوع پر لکھ رہے ہیں؟

☆ الحمد للہ! مجھے حدیث اور تصوف کی کتب کے تراجم کا شرف حاصل ہے۔ حال ہی میں سنن ابی داؤد اور رسالہ فقیرانہ کا ترجمہ مکمل کیا ہے۔

☆ آپ کی مطبوعہ تصانیف کی تعداد کتنی ہے اور ان کے نام کیا ہیں؟

☆ ساٹھ کے لگ بھگ ہے۔

۱۔ ترجمہ جامع ترمذی (دو جلد)

۲۔ ترجمہ شرح معانی الآثار (چار جلد)

۳۔ ترجمہ صحیح مسلم شریف (تین جلد)

۴۔ ترجمہ سنن ابی داؤد (تین جلد)

۵۔ ترجمہ سنن دارمی (دو جلد)

۶۔ ترجمہ ریاض الصالحین (دو جلد)

۷۔ ترجمہ کتاب الآثار (ایک جلد)

- ۸- ترجمہ مسند اسحاق بن راہویہ (ایک جلد)
 ۹- ترجمہ غنیۃ الطالبین (ایک جلد)
 ۱۰- ترجمہ احیاء العلوم (چار جلد)
 ۱۱- ترجمہ المواہب اللدیۃ (تین جلد)
 ۱۲- ترجمہ الکبائر (ایک جلد)
 ۱۳- ترجمہ رسالہ قشیریہ (ایک جلد)
 ۱۴- ترجمہ تنبیہ المغضربین (ایک جلد)
 ۱۵- ترجمہ جلاء الافہام (ایک جلد)

(دری کتب)

- ۱۶- نور الایضاح ترجمہ وحاشیہ
 ۱۷- تفسیر البلاغۃ (ترجمہ دروس البلاغۃ)
 ۱۸- تفسیر الخو (ترجمہ ہدایا الخو)
 ۱۹- اصول الشاشی (سوال جواباً)
 ۲۰- تفسیر العیضاوی (سوال جواباً)
 ۲۱- مراجع الارواح (سوال جواباً)
 ۲۲- علم الخو
 ۲۳- تلخیص اصول الشاشی
 ۲۴- صرف بصر ال (ترجمہ و ترتیب)
 ۲۵- خلاصہ الحمد ایہ (جلد چہارم)
 ۲۶- انتخاب جلالین و مشکوٰۃ ترجمہ
 ۲۷- حسامی سوال جواباً
 ۲۸- اربعین نووی ترجمہ وحاشیہ

دیگر کتب

- ۲۹- شمائل ترمذی ترجمہ
 ۳۰- حصن حصین ترجمہ
 ۳۱- کنز الایمان تقاسیر کی روشنی میں
 ۳۲- سجدہ تعظیمی تحقیق رسالہ اعلیٰ حضرت
 ۳۳- سنت و بدعت
 ۳۴- حضرت پیر مہر علی شاہ اور رد قادیانیت
 ۳۵- اعضاء کی بیوند کاری
 ۳۶- عقائد و عبادات بچوں کے لئے
 ۳۷- تعلیم نماز اردو انگریزی
 ۳۸- خطبات و مقالات
 ۳۹- فرض نماز کے بعد و عا
 ۴۰- قہر پر اجتماعی قرآن خوانی (ترجمہ)
 ۴۱- قرآن سے علاج

- ۳۲۔ علمی انٹرویو تقریریں
 ۳۳۔ مجموعہ رسائل
 ۳۴۔ قربانی تین دن
 ۳۵۔ توسل کی شرعی حیثیت
 ۳۶۔ قربانی
 ۳۷۔ تحقیق طلاق
 ۳۸۔ تجویز و تکفین اردو، انگریزی
 ۳۹۔ تحقیق حلالہ
 ۵۰۔ تقسیم وراثت

- ۵۱۔ مقدمہ المسیرات (عربی)
 ۵۲۔ مقدمہ المناظرہ (درسی)
 ۵۳۔ سیرت کونز (حصہ اول)

- ۵۴۔ پارکرت راتیں
 ۵۵۔ مضافین ماہ رمضان
 ۵۶۔ تعارف علماء اہل سنت

- ۵۷۔ دو نامور مجاہد (علامہ شاہ احمد نورانی اور علامہ عبدالستار خان نیازی)
 ۵۸۔ رسول اکرم ﷺ کی وصیتیں (گنبد حضرتی کے سامنے تلکھی گئی کتاب)

- ۵۹۔ میلاد النبی اور علماء عرب

- ۶۰۔ دلوں کو موسم کرنے والی باتیں

- ۶۱۔ عرفان القرآن (قرآن بربان قرآن)

- ۶۲۔ تعلیقات رضا

- ۶۳۔ مقالات تعارف (تعارف جامعہ نظامیہ رضویہ)

- ۶۴۔ حضرت امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ (عربی غیر مطبوعہ)

- ۶۵۔ مصحفوی انقلاب کے روحانی وسائل

ان کے علاوہ بہت سے سیمینارز و ریڈیو اور ٹی وی پر پڑھے گئے مقالات و مضامین شامل ہیں
 کیا آپ اپنی تصانیف میں غیر مطبوعہ مسودات کی تفصیل بتانا پسند فرمائیں گے؟

☆ الحمد للہ جو کچھ لکھا وہ زیور طبع سے آراستہ ہوا۔ حضرت امام ابو یوسف پر عربی میں مقالہ غیر مطبوعہ ہے۔ اسلام آباد ریڈیو کے پروگرام حسی علی الفلاح کے حوالے سے درس حدیث کے سلسلہ میں بے شمار تقاریر موجود ہیں، جن کو یکجا کر کے طباعت کا ارادہ ہے۔

☆ جمعہ کے خطبات میں آپ کی موضوعی ترحیب کیا ہوتی ہے تیاری کا انداز کیا ہوتا ہے؟

☆ حالات حاضرہ کو پیش نظر رکھتا ہوں، اخلاقی موضوعات کو ترجیح دی جاتی ہے اور ضمناً عقائد اہل سنت کا بیان بھی ہوتا ہے، تیاری کا وقت نہیں ملتا تاہم تیار کیا ہی شامل ہوتی ہے، کسی آیت یا حدیث کا انتخاب کیا جاتا ہے اور بوقت بیان ذہن کھلتا جاتا ہے (الحمد للہ)۔

☆ زندگی میں کبھی عشق بھی کیا؟

☆ قلم و قریح سے بے حد عشق ہے۔

☆ زندگی میں سب سے زیادہ صدمہ کب ہوا؟

☆ جب 1994ء میں شفیق والدہ کا سایہ ہر سے اٹھا پھر 2003ء میں اپنی مادر علمی کے قیم ہونے کے بعد درگاہوں حالات دیکھنا پڑے۔

☆ شہائی اچھی لگتی ہے یا مغل؟

☆ تہائی پسند ہے البتہ تدریس کی محفل اچھی لگتی ہے۔

☆ سورج طلوع ہونے کا منظر اچھا لگتا ہے یا غروب ہونے کا؟

☆ کبھی ان مناظر کو دیکھنے کا موقع نہیں ملا لیکن طلوع آفتاب روشنی لے کر آتا ہے اس لئے یہ بہت خوبصورت منظر ہوتا ہے۔

☆ کسی شخصیت کے ساتھ ملاقات جسے آپ بھول نہ سکتے ہوں؟

☆ بہت سی روحانی علمی شخصیات سے ملاقاتیں ناقابل فراموش ہیں۔ بالخصوص اپنے مرشد گرامی حضرت غزالی زماں رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ آخری ملاقات جو صبح سے شام تک رہی اور حصول فیضان کا ناقابل فراموش موقع ملا۔

☆ کوئی پچاس سال بعد یہ انٹرویو پڑھے تو اسے آپ کیا کہنا چاہیں گے؟

☆ اسے یہی کہوں گا کہ قرب قیامت کی وجہ سے آپ سخت ابتلاء کے دور سے گزر رہے ہیں۔ اپنے ایمان کو مضبوط کیجئے۔

☆ انسانی زندگی کے بارے میں آپ کا تجزیہ کیا ہے؟ اس میں انسانی ارادہ اور اختیار کی کیا اہمیت ہے؟

☆ اللہ تعالیٰ نے انسان کو مجبور محض نہیں بنایا، اس کا ارادہ انقلاب پیدا کر سکتا ہے لیکن اس کے اختیار کی لگام شریعت کے ہاتھ میں ہونا ضروری ہے۔

☆ زندگی کے مختلف مراحل دیکھنے اور تجربہ حاصل کرنے کے بعد آپ "دوستی" کے متعلق کیا کہنا چاہیں گے؟ دوست کے کہتے ہیں؟ کیا

☆ یہ دور بہت نازک ہے، مفاد پرستی زوروں پر ہے بہر حال دوست کے بارے میں یہ شعر بہت اہم ہے:

دوست آں باشد کہ گیرد دست دوست

در پریشاں حالی و در ماندگی

اس سلسلہ میں تجربات بہت تلخ ہیں اس لئے کسی سے دوستی نہیں کی، اعتماد کی راہ پر چلتا ہوں۔

☆ کوئی ایسی بات جو آپ ہمارے سوال کے بغیر کہنا چاہیں؟

☆ آپ کوئی سوال کریں تو جواب عرض کروں گا۔ ویسے کچھ نہیں کہنا چاہتا سوال کا جواب لازم ہو جاتا ہے۔

☆ خلیفوں میں کس سے متاثر؟

☆ بروہ خطیب جس کی تقریر متاثر ہو اور اس کا اثر دیر پا ہوتی جذبات سے کھیلنے والا نہ ہو۔ ماضی میں دو شخصیتوں کی تقریر بہت پسند تھی۔

☆ حضرت علامہ شجاعت علی قادری اور حضرت علامہ قاضی عبدالنبی کو کب رحمۃ اللہ علیہما۔ اس وقت چار شخصیتوں کی تقریر سے متاثر ہوں: مفکر

☆ اسلام حضرت علامہ سید ریاض حسین شاہ مدظلہ، جگر گوشہ غزالی زماں حضرت علامہ سید حامد سعید کاظمی زید مجدہ حضرت علامہ مفتی ذبیح الرحمن زید

☆ مجدہ اور حضرت علامہ حافظ خان محمد قادری، دامت برکاتہم، علاوہ ازیں علامہ ڈاکٹر طاہر القادری کا انداز خطاب بھی بہت عمدہ ہے۔ (اگر

ماضی کے اکابر کی بات ہو تو غزالی زماں رحمۃ اللہ علیہ کی تقریر اپنی مثال آپ ہوتی تھی)۔

☆ آپ نے تنظیم المدارس میں کافی عرصہ کام کیا اس دور اور آج کے دور میں کیا فرق محسوس کرتے ہیں؟

☆ یقیناً بڑا فرق محسوس کرتا ہوں اگرچہ آج کل کمپیوٹر آ گیا ہے۔ سارا ڈیٹا کمپیوٹر آڈیو گیا ہے لیکن نہ جانے کیوں بندے مطمئن نہیں، اس

☆ وقت ہر آنے والا مطمئن ہوتا تھا اور یہ سب کچھ استاذی المکرم مفتی محمد عبدالقیوم ہزاروی صاحب کا فیضان تھا۔ ان کی طرف سے نہایت سختی

☆ تھی۔ تنظیم جب جامعہ فیضیہ چلی گئی۔ اس وقت بھی پابندی برقرار رہی۔ جب مفتی صاحب ادارہ میں نہ ہوتے اس وقت میں سارا دن مدرسے

☆ میں رہتا تا کہ کوئی بندہ مایوس واپس نہ جائے۔ لاکھوں کا حساب میرے ذمہ ہوتا کیونکہ مفتی صاحب مجھ پر بہت اعتماد کرتے تھے۔ جن دنوں

☆ مرشدی حضرت علامہ سید سعید احمد کاظمی صدر اور حضرت مفتی صاحب ناظم تھے۔ اس وقت بھی قبلہ کاظمی صاحب مفتی صاحب کے کام کو سراہتے

☆ تھے۔ حضرت غزالی زماں رحمۃ اللہ علیہ، حضرت قبلہ مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ پر بہت اعتماد کرتے تھے، بلکہ ماتان جانے والے لوگوں کو لاہور

☆ میں حضرت مفتی صاحب کے پاس بھیج دیا کرتے تھے۔ تنظیم المدارس میں خدمات کے دوران میں نظامت تعلیم، لائبریری، شعبہ تنظیم

☆ المدارس، جامعہ نظامیہ میں تدریس وغیرہ سب کام ایک ہی تنخواہ میں کرتا تھا۔

☆ آپ کا تعلق ملک پاکستان کی زرخیز زمین شعلہ ہزارہ سے ہے اور ہزارہ کی سرزمین کا دینی علوم کے پھیلانے میں ایک خاص حصہ ہے اس

☆ کے متعلق آپ کیا کہنا پسند فرمائیں گے؟

☆ حضرت مفتی عبدالقیوم ہزاروی رحمۃ اللہ علیہ سے پہلے ہزارہ کے لوگوں کو عموماً مدارس میں داخلہ ہی نہیں دیا جاتا تھا مگر حضرت مفتی صاحب

☆ کے جامعہ نظامیہ آنے کے بعد ہزارہ کے لوگوں کو بھی مدارس میں داخلہ ملنے لگا اور اس طرح دین کا نور پھیلنے لگا۔ ایک مرتبہ ممتاز اسلامی سکالر

پیر سید فیض الحسن شاہ نے مسلم مسجد میں مجھے فرمایا تھا کہ ہزارے کی سر زمین بڑی زرخیز ہے۔ آپ خود کچھ لہجے کہ ملک کے نامور علماء کا تعلق ہزارہ سے ہے۔ مثلاً مفتی عبدالقیوم ہزاروی، علامہ پیر سید ریاض حسین شاہ، مفتی غیب الرحمان، حضرت استاذ القراء قاری محمد یوسف صدیقی،

حضرت علامہ مولانا عبدالعلیم ہزاروی وغیرہ

❁ دلیل راہ کے قارئین کے لئے کوئی نصیحت؟

ہم دلیل راہ کے قارئین سے یہ کہنا چاہوں گا کہ یہ مجلہ نہایت زریک، فاضل اور ادیب شخصیت حضرت علامہ سید ریاض حسین شاہ کی زیر سرپرستی نہایت علمی تحریرات کا مجموعہ ہوتا ہے۔ حضرت شاہ صاحب کے ادارتی نوٹ سے جہاں ان کی ادبی صلاحیتوں کا پتہ چلتا ہے وہاں یہ اور یہ ان کے اخلاص، دین اور مسلک کے لئے ان کے کرب کا منہ بولتا ثبوت ہوتا ہے اس سے زیادہ سے زیادہ استفادہ کریں اور اس کا پیغام ووروراز تک پہنچائیں۔



یادیں بھئی اور باتیں بھئی

کس بات پر اجمل کو گلے سے لاگالیا

حافظ شیخ محمد قاسم

بعد اذ شریف اور سمرام کے آسمان رفعت سے جو شمس طلوع ہوئے ان کی روشن کرنوں نے روہڑی کی سادات، اوج شریف، لاہور، نیکسلا اور تانویل ہزارہ کی زمینوں کو رنگ مہتاب کر دیا۔ کونٹائی شریف کے سادات حضرت ہادی علی نقی کی اولاد سے چلے، اس خاندان میں ہر دور میں صاحب علم و فضل، اہل رشد و ہدایت اور اصحاب و چاہت پیدا ہوئے۔ ہندو سندھ و پاک و کشمیر کے ان برگزیدہ خاندانوں میں ہمیشہ وہ لوگ جنم لیتے رہے جو ذہانت اور تقویٰ کے گہوارے رہے۔ کھنڈ میں سید جلال محمود کی، کراچی میں سید عبداللہ شاہ غازی، اوج شریف میں سید جلال الدین سرخ بخاری، سید بدر الدین بادشاہ اور بھکر میں سید صدر الدین بادشاہ، نیکسلا میں سید فتح حیدر علی شاہ اور کونٹائی شریف میں سید غلام مصطفیٰ شاہ رحمۃ اللہ علیہم ایسی نادر روزگار ہستیاں پیدا ہوئیں۔ علم و فضل اور تاریخ و ادب میں جو نام سید بلھے شاہ اور سید وارث شاہ نے کمایا ان کی حقوبت اور ذکاوت سے کون انکار کر سکے گا۔ اہل کمال اور مقبولین کی اس طریق سے اصلاح عقائد، خدمت انسانیت، ذوق اعمال، اشاعت علم اور نشر ادب کا سرمایہ عام کیا۔ ہمارے اس دور میں عرب و عجم کے اندر ہمارے شاہ جی زید مجاہد نے جس طرح دعوت و اصلاح کا کام اٹھایا یقیناً ان کے بزرگوں کے اثرات و برکات اور فیوض و ثمرات قدم قدم پر ان کے یادگار و مددگار نظر آتے ہیں۔ شاہ جی کی صحبت میں بیٹھنے والے شاہ جی کے علوئے ہمت سے ان کے بزرگوں کی تاریخ پڑھ سکتے ہیں۔

میری یہ خوش بختگی ہے کہ شاہ جی کی محبتوں نے مجھے ان سے بے تکلف کر دیا ہے۔ میں ہر بات ان سے پوچھ لیتا ہوں۔ آپ کبھی بھی اپنی کریمانہ شفقت سے مجھے محروم نہیں کرتے۔ پچھلے دنوں جب 21 دسمبر 2008 بروز جمعہ المبارک شاہ جی کے ہم بزرگوار ہمارے پیر و مرشد پیر سید عبدالمنان شاہ اقصینی الباکری اللہ کو پیارے ہوئے تو میں نے شاہ جی سے استفسار کیا، دل بریاں بریاں ہے، صدموں نے توڑ رکھا ہے، آپ پچھائی کے بارے میں کچھ بتانا پسند فرمائیں گے۔ آپ کی معلومات ہی ہمارے لئے مشعل راہ ثابت ہو سکتی ہیں۔ شاہ جی نے فارسی کا شعر پڑھا اور پرسوز اور لطیف حکایت شروع کر دی۔

حکایت از قد آں یار دل نواز کلمیم

بایں بہانہ عمر عمر خود دراز کلمیم

عزیز قاسم! میرے چچا محترم سید عبدالمنان شاہ اقصینی الباکری تین بھائی تھے۔ سید سلیمان شاہ سب سے بڑے تھے، سید عبد السبحان شاہ ان سے چھوٹے تھے اور چچا جی سب سے چھوٹے تھے۔ میرے دادا جی سیدی الدین ضامن شاہ طویل القدر عالم، عظیم الشان محدث، معاملہ فہم قاضی، قلم بہار شاعر اور دردمند صوفی تھے۔ آپ نے اپنے موروثی روحانی سرمایہ کے باوجود قبول مشائخ اور نامور علماء سے استفادہ کیا تھا۔ سرحد میں خیر آباد کے طلحی سلسلہ کی آپ نشانی اور برہان تصور کئے جاتے تھے۔ علوم کی تکمیل قاضی عبدالحمید صاحب پڑھانوی کے تلمذ میں کی تھی اور آپ پڑھانہ کے طلحی سلسلہ سے بہت زیادہ متاثر تھے۔ میرے نانا جی حکیم سید محمد اسماعیل شاہ ہزاروی گردیزی اور میرے دادا جی دونوں ہم جماعت تھے۔ والد گرامی فرمایا کرتے تھے کہ برصغیر پاک و ہند کے نامور عالم محدث، مفسر قاضی عبدالسبحان کھلانی دادا جی کے ساتھ پڑھتے رہے۔ میوند میں ایک رات ہمارے دادا جی قاضی صاحب کے ہاں اور قاضی صاحب ایک رات ہمارے ہاں قیام فرماتے۔ ساری زندگی آپ کی محبتیں عروج پر ہیں۔ 1945ء میں جب دادا جی کا وصال ہوا تو قاضی عبدالسبحان کھلانی جنازے میں شریک ہوئے اور آپ دیر تک آپ کی قبر پر چار زانو بیٹھ کر روتے رہے اور جامی کا یہ شعر سوز و گداز کے عالم میں لبوں سے نکلنا تے رہے۔

حریفان بادۂ خوردند و رھند

تمہی نھخانہ را کردند و رھند

عزیز قاسم! میرے پڑا دادا جی سید شاہ نجیب اقصینی 1870ء میں جامعہ اذہر سے فارغ التحصیل ہو کر عازم وطن ہوئے تھے۔ راستے میں نو ماہ تک خانقاہ جلیانہ بغداد شریف میں قیام فرمایا، یہیں آپ کو قادری نسبت سے نواز گیا۔ میں یہ بھی بتانا چلوں کہ ہمارا آبائی سلسلہ سہروردی ہے اس لئے کہ سید جلال سرخ بخاری حضرت بہا الحق زکریا مٹانی کے خلیفہ کبیر تھے۔ یہاں تک بات ہے کہ میرے آباؤ اجداد نے کبھی بھی مشائخ کبار سے اپنے زمانے میں اتساب اور استفادہ سے نابل نہیں کیا۔ چشمہ سلسلہ کا اویسی فیض بارگاہ معین سے ہوا اور مجھے فقیر کو خواجہ بے کساں بابا فرید سے ہوا۔

سید عبدالمنان شاہ رحمۃ اللہ علیہ سادہ طبیعت کے مزہب صفت صوفی بزرگ تھے۔ آپ نے رزق حلال کمانے کے لئے پہلے نیوی اور پھر پولیس میں سروس کی۔ یہی ملازمت انہیں الالہ جی قدس سرہ کے قدموں میں کھینچ لائی۔ تعارف کا ذریعہ الالہ جی گل عدت جو تھانیدار کے نام سے معروف تھے وہ بنے۔ ہنگو میں گل عدت تھانیدار نے چچا جی کو الالہ جی کا پیوہ یا اس طرح آپ روحانی سلوک کی منزل میں طے کرنے کے

لئے پھر خاندان پہنچ آئے۔ یہاں آپ کی زندگی میں انقلابی تبدیلیاں پیدا ہوئیں۔ لالہ جی نے سب سے پہلے ان کی طبیعت کا علاج کیا۔ آپ فرمایا کرتے تھے کہ غصہ، بغض اور پیش آدی کو امدھاکہ دیتے ہیں۔ ایسا انسان سو دو زیاں دونوں احساسات سے عاری ہو جاتا ہے۔ آپ سردیوں میں برفانی ٹھنڈے تو دوں پر بیٹھ کر مراقبوں میں مشغول رہتے اور جب سخت گرمی ہوتی تو دیکھتے انگاروں کے پاس بیٹھے ہوتے۔ اوائل زندگی میں حضرت مولانا علی کرم اللہ وجہہ کے طریقے پر سردیوں میں باریک لباس زیب تن فرماتے اور گرمیوں میں موٹا اور سخت کھردرا کپڑا پہنتے۔ آواز پر تاشیر تھی۔ باہانفرید، سلطان العارفین اور میاں صاحب کا کلام پر سوز انداز میں پڑھتے۔ محفل پر نور کی چادر تن جاتی۔ نفس امارہ کے کفر و فریب اکثر صوفیہ کے اقوال کی روشنی میں بیان کرتے رہتے۔

اللہ تعالیٰ نے آپ کو باریک باطنی علم عطا فرما رکھا تھا۔ کشف القہر کے حوالے سے حیرت انگیز واقعات آپ سے منسوب کئے جاتے ہیں۔ دعا کی قبولیت اور ناقبولیت کے بارے میں پہلے ہی بتا دیتے تھے۔ ایک دلچسپ واقعہ عرض کروں اللہ تعالیٰ نے آپ کو شادی کے سترہ سال بعد تک اولاد نہ عطا فرمائی تھی۔ آپ کا منہ بولا بیٹا جب بھی آپ کی اولاد کے لئے دعا مانگا، آپ فرماتے دعا اوپر نہیں گئی۔ تقریباً شادی کے پندرہ سال بعد ایک رات مستکین نے دعا مانگی تو آپ فرماتے لگے آج دنارک نہیں سکی۔ اللہ مجھے اولاد عطا فرما دے گا۔ آپ نے زندگی کو پھیلا تا اور شہرت کی معراج پانا پسند نہ کیا۔ اپنے شیخ کے قدم پر چلتے ہوئے خود کو محمد و درکھا۔ آپ کوچ کا فریضہ ادا کرنے کے لئے خادین خلیفہ رقم پیش کرتے لیکن آپ فرمادیتے اور کہتے

”حق حلال کے کمائے ہوئے پیسے اگر جمع ہو گئے توج ضرور کروں گا“

لیکن زندگی سفید پوشی میں کٹ گئی۔ ایک بار کسی نے ایک لاکھ روپے زکوٰۃ کے آپ کے پاس چھوڑے اور عرض کی مستحقین میں تقسیم فرمادیں۔ آپ نے پیسے واپس کر دیئے اور فرمایا:

”میں سید ہوں، مجھ پر زکوٰۃ نہیں لگتی۔ میرا کوئی مدرسہ بھی نہیں کہ مستحق طلبہ پر خرچ کر دوں۔ میرے گلے میں کیوں وبال ڈال دیا ہے۔ جاؤ! خود مستحق تلاش کرو اور خود فریضہ زکوٰۃ کی ادائیگی میں جلدی کرو۔“

آپ نے عالم دین بننے کا راہ تہی نصاب نہیں پڑھا ہوا تھا، لیکن قرآن و حدیث اور فقہ کی باقاعدہ تعلیم حاصل کی تھی بلکہ عوارف المعارف، قشیریہ، بہار شریعت، کشف المحجوب، احیاء العلوم اور مکتوبات شریف کا آپ مطالعہ کرتے رہتے تھے۔ آپ رواجی خطابت سے دور بھاگتے تھے بلکہ بعض اوقات تہرہ کرتے اور فرماتے ہمارے دور میں خطبا اور علماء نے مقدس لفظوں کو تھکا دیا ہے۔ مولویوں کی طرح بے روح اصطلاحیں مذہب کو بے روح کر رہی ہیں۔ آپ علم کو مومن کی کھوئی ہوئی میراث سمجھتے تھے۔ آپ کو اقبال کا شکوہ اور جواب شکوہ پڑھنے سے ایک خاص دلچسپی تھی۔ علم الیقین، عین الیقین اور حق الیقین آپ کی گفتگو میں نمایاں عنوانات ہوتے۔

حق الیقین کی وضاحت کرتے ہوئے اقبال کا یہ شعر بھی پڑھتے:

یقین ، مثل خلیل ، آتش نشین

یقین ، اللہ مستی ، خود گزینی

شاہ جی نے پچاجی کے احوال سے گل چینی اور گلاب افشانی کا سلسلہ ختم کر دیا لیکن میں پچاجی کا لالچی مرید ہوں۔ شوق پیدا ہوا کہ شاہ جی کچھ اور کھلیں اور اس صادق انسان کی زندگی کے پر لطف واقعات سے مجھے اور میرے قارئین کو بہرہ مند کریں۔ اگلے ہی دن مجھے شاہ جی کی معیت کا جلوہ دوبارہ نصیب ہو گیا۔ اب شاہ جی ایک پتھر پر بیٹھے تھے۔ اچھی طرح محسوس ہو رہا تھا کہ پچاجی جیسے شاہ جی کی طبیعت میں طاری ہو گئے ہوں۔ میں نے ہمت کی اور ایک گلابوں جھری شاخ شاہ جی کے ہاتھ میں تھادی۔ میں سمجھتا ہوں کہ شاہ جی کو چھینرنے کے لئے جمالیاتی ماحول بڑا کارگر ثابت ہوتا ہے۔ ٹھنڈی ہوانے جذبہ نسبت کو دوا تھہ کر دیا اور آپ نے اپنی بات یہاں سے شروع کی:

سید عبدالمنان شاہ صاحب علیہ الرحمہ 30۔ جون 1930 ہر دو اتوار کو نمائی ہزارہ میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد گرامی اپنے زمانہ کے نامی گرامی عالم بقیہ اور مصنف تھے۔ پچاجی نے بچپن ہی میں غم، عشق اور درد کی میراث پائی تھی۔ آپ کو اقبال کی اس سوج سے مکمل اتفاق تھا کہ مرد کمال میں یہ صفات ہونی چاہیے:

چہ باید مرد را طبع بلند سے، شرب نابے

دل گرے، نگاہ پاک سینے، جان بے تابے

لیکن انہیں اقبال محترم کی اس رائے سے اتفاق نہیں تھا

سب سے خاتما باہن خالی از سے

کند مکتب رہ طے کرد راہ طے

پچا جی فرمایا کرتے تھے کہ گمراہ فکر لوگ اقبال کے نام پر خواہ مخواہ لوگوں کو راہ حق سے بھٹکاتے ہیں کہ علماء کولہو کے تیل کی طرح ایک ہی جگہ گردش میں فاصلہ طے کرنا چاہتے ہیں۔ پچا جی کا مسلک حیات یہی تھا حضور ﷺ، حضور ﷺ اور صرف حضور ﷺ۔ آپ کا طرز حیات عشق اور محبت کی روشنیوں میں ڈوبا رہتا تھا لیکن آپ عشق میں یہ نہیں کہتے تھے ”کافر عشقتم مسلمان مر اور کار نیست“ آپ ہمیشہ اپنے آپ کو ضوا ابلا شریعت کا پابند رکھتے۔

پچا جی کو دوسروں پر تنقید سخت ناپسند تھی آپ فرماتے تھے صوفیہ کا طرز عیب پوشی ہے نہ کہ عیب چینی۔ ایک مرتبہ کسی نے حافظ کا شعر آپ کے سامنے پڑھا:

واعظاں کیں جلوہ بر محراب و منبر می کنند

چوں بہ خلوت می روند آن کارے دیگر می کنند

پچا جی جلال میں آگئے اور فرمایا عیب اپنے ہی دیکھنے چاہئیں۔ واعظاء اور مشائخ عینا ر راہ ہوتے ہیں ہمیشہ ان کا احترام کرنا چاہئے۔ پچا جی کو ”نفس مارنے“ کی اصطلاح پسند نہ تھی۔ آپ نفس کی تہذیب اور تزکیہ کا مسلک رکھتے تھے۔ اپنے دادا مرشد خواجہ نور محمد عرف نانگا صاحب کا یہ قول اکثر اپنی گفتگو میں سناتے

”نفس کو خوب کھلاؤ پلاؤ اور پھر اس پر سوار ہو جاؤ“

اوہاں میں کہیں حضور ﷺ کی زیارت ہوئی تھی اور فرمایا کرتے تھے کہ آپ نے فرمایا ہے:

”بیجا جب وقت آئے گا تو میں تمہیں اپنے ساتھ رکھوں گا۔“

پچا جی نے ساری زندگی اس میں گزاری، ابھی آئیں گے اور جلوہ دکھائیں گے۔ ایک دن سلائی مشین پر کپڑے ہی رہے تھے کہ ٹینڈا غلبہ ہوا اور آپ اپنا سر مشین کے اندر گھسا کر سو گئے۔ صبح اٹھے تو مٹھائی ہانپی، جن کا انتظار تھا وہ آگئے لیکن اب کی بار فرما گئے ابھی تمہارے صاحب زندہ ہیں، اگلی مرتبہ ساتھ لے جاؤں گا۔ پچا جی کا شوق فراق میں نعتیں پڑھتے، روتے اور سننے والے بھی زار و قطار روتے۔ ایک روحانی لہیفہ آپ کا ایک مرید آیا اور عرض کی مجھے بھی حضور ﷺ کی زیارت کروائیے آپ نے اس کا سر پکڑا اور مشین میں دے دیا فرمایا مجھے بھی ادھر ہی زیارت ہوئی تھی تجھے بھی زیارت ہو جائے گی۔ سید عبدالمنان شاہ علیہ الرحمہ کو اپنے جد امجد امام عالی مقام حسین پاک سے وفور عقیدت حاصل تھا اس لئے آپ اپنے نام کے ساتھ حسینی لکھ دیتے تھے۔ آپ طہیجہ بھی حسینی تھی۔ ساری زندگی ایک چھوٹے سے مکان میں گزار دی۔ آپ نے عمویت، سو قیوت اور عبیت کی رو میں کبھی اپنے آپ کو بیٹے نہ دیا۔ بچوں سے انتہائی پیار کرتے تھے۔ جو بچے اچھے لگتے کسی کو باہا فریڈ کہتے، کسی کو بیٹھے شاہ کہہ کر پکارتے۔ سخت کوش تھے اور سخت کوشی ہی سے محبت فرماتے تھے۔ برادری، محلہ، گاؤں اور پڑوسی ہر ایک کے گھر کا سودا تلف خریدتے اور کندھوں پر اٹھا کر گھر پہنچاتے۔ فرماتے فقر نفس کی اصلاح، محبت اور مخلوق کی خدمت کا دوسرا نام ہے۔ محافل سے اتنا پیار نہیں تھا کبھی تشریف بھی لاتے تو اچھی طرح محسوس ہوتا کہ شاہین کو کسی نے ہنجرے میں بند کر دیا ہے۔ جلسوں میں شرکت کا حرج نہیں تھا، اگر کبھی مجبور کر لیا جاتا تو خاموش شرکت ہوتی۔ وعظ، دعا اور صدقاتی کلمات سے اجتناب برتتے۔ اگر کوئی تنہائی میں ملتا تو تلقینات میں عشق ہی اہم موضوع ہوتا اور کبھی کبھار یہ بھی فرماتے نفس کو بازیناؤ اور پھر خود ہی توجیہ فرماتے:

”یہ آشیانہ نہیں بنا تا

تیز نگاہ ہوتا ہے

خلوت پسند ہوتا ہے

بلند پرواز ہوتا ہے

خود دار اور غیرت مند ہوتا ہے

فقیر کی تمام صفات اس میں موجود ہوتی ہیں“

زندگی کے آخری ایام میں والد گرامی اور والدہ محترمہ کی قبروں کی زیارت کے لئے کثرت کے ساتھ گاؤں تشریف لے جاتے اور فرماتے اس عمل سے آسودگی حاصل ہوتی ہے۔ کچھ وقت آپ نے سید بیٹھے شاہ کے مزار پر بھی بسر فرمایا۔ موت سے بالکل بھی خوف نہ تھا۔

بوصال سے ایک دن پہلے ملاقات سے نوازا اور فرمایا میں بالکل ٹھیک ٹھاک ہوں۔ جمعہ المبارک ادا نہ کر سکے اور ظہر پڑھی۔ سانس میں قدرے تکلیف محسوس کرتے تھے لیکن عصر اور مغرب کی نماز باجماعت ادا فرمائی۔ اچانک طبیعت بدل گئی۔ آپ ہر چند منع فرماتے رہے لیکن دوست چاہتے تھے کہ علاج کرانے میں کوئی قباحت نہیں، ابھی گھر اور ہسپتال کے درمیان ہی پہنچے ہوں گے کہ دوستوں سے کہا میں ذکر کرتا ہوں تم درود شریف پڑھو اور جان جان آفرین کے سپرد کر دوں۔

دوست سوچتے رہ گئے

کس بات پر اجل کو گلے سے لگا لیا



جلد نمبر: ۲

فتاویٰ رضویہ

(مباحث کا خلاصہ)

علامہ سید اے حق محمد
ریسرچ سکا لرا ادارہ تحقیقات اسلامی

یہ جلد ۳۳ سوالات کے جوابات اور رسالت پر مشتمل ہے۔ بنیادی طور پر پانیوں (میاء) سے متعلق تفصیلات ہیں۔ بتلایا گیا ہے کہ وضو کے برتن میں جو پانی بیخ جائے وہ ماء مستعمل نہیں اس سے وضو کیا جاسکتا ہے اور اگر ماء مستعمل تھوڑا سا ماء غیر مستعمل میں مل جائے تو بھی وہ پانی وضو کے قابل ہوتا ہے۔ اگر بہتا ہوا پانی نجاست پر سے گزر رہا ہے تو بھی پاک ہے اگر وہ پانی برتن میں لیا اور نجاست کا ذرہ اس میں آ گیا تو وہ پانی ناپاک کہلائے گا۔

استعمال شدہ پانی سے متعلق تحریر کردہ رسالہ میں واضح کیا گیا ہے کہ استعمال شدہ پانی وہ ہے جو دھوئے ہوئے عضو سے بہہ کر جدا ہو جائے، یہ پانی ظاہر ہے مگر کسی اور وضو کی نجاست حکمیہ کو زائل نہیں کر سکتا یعنی اس پانی سے کوئی اور بے وضو شخص وضو نہیں کر سکتا۔ اس پانی کو مسجد میں ڈالنا بھی جائز نہیں، اگر بدن کو خشکا کرنے کے لئے یا مٹی دھونے کے لئے پانی استعمال کیا تو وہ پانی استعمال شدہ نہ کہلائے گا۔ اس طرح اگر کوئی برتن دھویا تو یہ پانی استعمال شدہ نہ کہلائے گا۔ جب نجاست حکمیہ زائل کرنے کے لئے پانی استعمال کیا تو اس دھوئے ہوئے عضو کے گناہ و صل کر اس پانی میں آجاتے ہیں جس کی وجہ سے وہ پانی دوبارہ کسی نجاست حکمیہ کو زائل کرنے کے قابل نہیں رہتا۔ اعلیٰ حضرت نے امام شعرائی کی میزان الشریعہ الکبریٰ کے حوالے سے سید علی خواص الشافعی کا قول نقل کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کو کشف کی ایسی طاقت عطا فرمائی تھی کہ جب وہ کسی کو وضو کرتا دیکھتے تو پانی میں دھل کر بہنے والے گناہوں کو چھپان لیتے تھے۔

نجاست حکمیہ حدث الاذن ہونے کی وجہ سے ہوتی ہے۔ حدث اصغر چار اعضاء کو ناپاک کرتی ہے جو وضو سے زائل ہوتی ہے اور حدث اکبر سارے بدن کو ناپاک کرتی ہے جو غسل کرنے سے زائل ہوتی ہے۔ یہ حکم حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے معاملے میں نہیں تھا، یعنی آپ کے وضو کرنے سے پانی استعمال شدہ قرار نہیں پاتا تھا کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو رب ذوالجلال نے معصوم بنایا لہذا ان کے استعمال سے پانی میں گناہ نہیں آتے تھے گناہ ہوتے ہی نہ تھے۔ احادیث مبارکہ سے ثابت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم وضو فرماتے تو صحابہ کرام پورے نقہوں اور جوش و جذبہ عقیدت سے آپ کا استعمال فرمودہ پانی ایک ایک قطرہ نیچے نہ گرنے دیتے تھے بلکہ اپنے ہاتھوں میں لے کر اپنے چہروں پر مل لیتے تھے اور اس کو طہارت و پاکیزگی کی معراج سمجھتے تھے اور حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم اس سے منع نہیں فرماتے تھے۔

رجب ۱۳۲۷ھ کو لکھے گئے فتویٰ کا نام 'المنیقة الانقی فی فرق الملاقی والملقى' ہے۔ لکھا ہے کہ اگر شخص مکلف پر جس عضو کا وضو کسی نجاست حکمیہ کی وجہ سے بافعل واجب ہووے وضو یا اس کا حصہ اگرچہ ناخن یا ناخن کا کنارہ قلیل پانی میں جو جاری نہ ہو بلا ضرورت پڑ جائے تو وہ پانی قابل وضو غسل نہیں رہتا۔ اس سے نجاست حقیقیہ دھو سکتے ہیں مگر وہ نجاست حکمیہ کو زائل نہ کرے گا۔ اگر ناخن بچہ کا بدن جو نجاست حقیقیہ سے پاک ہو قلیل پانی میں ڈوب جائے تب بھی وہ پانی استعمال شدہ نہ کہلائے گا اور اس سے وضو یا غسل کرنا جائز ہوگا۔ اگر میت کا ہاتھ یا پاؤں غسل سے قلیل پانی میں پڑ جائے تو وہ پانی مستعمل کہلائے گا اس سے وضو یا غسل کرنا جائز نہ ہوگا۔

ایک قاعدہ یہ بھی بتلایا گیا ہے کہ جس عضو کا جہاں تک پانی میں ڈالنا ضرورت کی وجہ سے ہو تو اس قدر میں معانی ہے اس سے پانی مستعمل نہ ہوگا۔ جاری پانی پاک ہوتا ہے حتیٰ کہ مختار قول کے مطابق نجس پانی اگر جاری ہو جائے تو پاک ہو جاتا ہے۔ اعلیٰ حضرت نے اس فتویٰ میں علامہ قاسم کا کلام شامل کرتے ہوئے لکھا ہے کہ اگر کثیر پانی میں کسی طرف ماء مستعمل مل جائے تو کثیر پانی نجس نہیں ہوتا۔ ضمیر سے ہوئے پانی میں پیشاب کرنے سے اس لئے منع لکھا گیا ہے کہ پانی کو بلا ضرورت مطہر ہونے سے خارج کرنا حرام ہے۔

اس فتویٰ میں تفصیلی بحث اس بات پر کی گئی ہے کہ پانی چاہے جتنا زیادہ ہو باہمی متصل ہونے کی وجہ سے کسی طرف نجاست مل جائے تو سارا پلید ہو جاتا ہے یا نہیں۔ یہ فلاسفہ کا خیال ہے کہ پانی ھینہ متصل واحد ہے لہذا ایک طرف نجاست مل گئی تو سارا پانی نجس ہو جائے گا، مگر علماء اسلام کہتے ہیں کہ اجسام جو ہر منفردہ سے مرکب ہیں تو اس صورت میں اجزاء باہمی مجاور تو ہوں گے مگر باہمی متصل نہیں ہوں گے۔ فلاسفہ نے براہین ہندسہ پر اپنے فلسفہ کی بنیاد رکھی ہے اور ہندسہ کی بنیاد خطوط متصل کے تو ہم پر ہے، جیسے کہ علم ہیہ کا دار و مدار منطوق و محجوروں، قطبوں اور دائروں کے تو ہم پر مبنی ہے اگرچہ ان کا خارجی (واقعی) وجود نہ ہو۔ ہمارے نزدیک ھینہ منقطع اجزاء سے بنا ہے جو حسی اعتبار سے باہمی متصل ہیں۔ اس لئے شریعت کا حکم ہے کہ کثیر پانی نجاست گرنے سے نجس نہ ہوگا خواہ نجاست نظر آرہی ہو۔

سوال نمبر ۳ کے جواب میں فرمایا کہ حوض کتنا چھوٹا ہو کسی پاک صاف آبی کے نہانے سے جبکہ بدن پر کوئی نجاست حقیقیہ نہ لگی ہو ہرگز ناپاک نہیں ہوتا۔ نہانے والے کا غسل بھی اتر جائے گا اور حوض بھی ہدستور پاک رہے گا اور اگر اس حوض کا پانی ماء کثیر کی تعداد پر ہے تو نجاست حقیقیہ کے گرنے سے بھی ناپاک نہ ہوگا۔

ایک حوض (تالاب) جو 10×10 ہے مگر اس میں ستون بنے ہیں جو چھڑک لکھیرے ہوئے ہیں تو پانی سوا ہاتھ نہ رہا بلکہ گھٹ گیا تو وہ

آب قلیل شمار ہوگا۔ حوض کی مساحت ۱۳۲۰۰۰ گج سے کم ہو تو اس کا پانی ماہ قلیل کہلائے گا۔ اس میں ایک فطرہ بھی نجاست کا گر گیا تو ناپاک ہو جائے گا۔ اگر اس میں بغیر دھوئے ہاتھ یا پاؤں یا کوئی عضو نہیں ڈالا گیا تو اس سے وضو کرنا جائز ہے۔ اگر استعمال کیا جانے والا پانی اس میں گرے تو کوئی حرج نہیں جب تک کہ وہ استعمال شدہ پانی غالب نہ آجائے اور اگر بے دھلا کوئی عضو خواہ ایک ناخن ہو بلا ضرورت اس میں ڈالا گیا تو وہ پانی قابل وضو نہ رہے گا۔ اگر کھڑا پانی نجس تھا اور دوسرا پاک پانی بہتا ہوا آیا اور نجس پانی کے ساتھ مل کر جاری ہو گیا تو سارا پانی پاک ہو گیا کیونکہ جاری پانی ایک حصہ دوسرے حصے کو پاک کر دیتا ہے۔ ان جانوروں کا جھوٹا پانی مکروہ ہوتا ہے جن کے جسم میں بہتا خون ہوتا ہے، بشرطیکہ اس کے علاوہ پانی موجود ہو اگر کوئی دوسرا پانی موجود نہ ہو تو یہ کراہت بھی نہیں ہے اور جس جانور کے بدن میں چھتا خون نہیں ہوتا اس کا جھوٹا پانی مکروہ نہیں ہے۔ اگر نامحرم عورت اپنے مرشد کا جھوٹا مشروب صرف تبرک کی نیت سے پی لے تو یہ جائز ہے۔

رسالہ ”الهنسی التمییر فی الماء المستعدیر“ میں بتلایا گیا ہے کہ کنواں ایک قول کے مطابق اڑنا نہیں ہاتھ چوڑا ہوتا کوئی ہے۔ دوسرا قول چھپا نہیں ہاتھ ہے اور تیسرا قول چالیس ہاتھ ہے جبکہ چوتھا قول چھتیس ہاتھ ہے۔ تحقیق یہ ہے کہ اس کی گولائی ساڑھے پینتیس ہاتھ چاہے یعنی ۳۵، ۴۴، ۴۹ تو اس کا قطر تقریباً پانچ ساڑھے دس گز ہوگا، کیونکہ محیط دائرہ کو رُبع قطر میں ضرب دینے سے دائرہ کی مساحت حاصل ہوتی ہے یا قطر دائرہ کو رُبع محیط یا نصف قطر کو نصف محیط میں ضرب دیجئے یا قطر محیط کو ضرب دے ۴۲ پر تقسیم کریں تو حاصل سب کا ایک ہی ہے۔

سوال نمبر ۴۶ کا جواب دیتے ہوئے فرمایا کہ اگر کوئی جہد جنابت کے لئے غسل کرے اس طرح کہ سر سے پاؤں تک تمام بدن ظاہر پر پانی بہ جائے اور طہ کی جڑ تک سارا منہ اور ناک کے نرم ہانے تک ساری ناک دھل جائے تو کافر کی جنابت اتر جائے گی۔ کافر کا آب غسل مکروہ ہے پھر بھی ناپاکی کا حکم نہ دیں گے۔ جب تک کہ اس کی تحقیق نہ ہو جائے کہ اس کے بدن پر نجاست چھپا لگی ہوئی تھی۔ آپ آگے فرماتے ہیں کہ قرآن مجید نے ”انما المشرکون نجس“ فرمایا کہ کافروں کو ناپاک قرار دیا ہے مگر یہ ناپاکی ان کے باطن کی ہے۔ اگر کافر نے شراب پی ہو اور شراب کا اثر اس کے منہ میں ہو تو اس کا جھوٹا ناپاک ہے اگر اس کا جھوٹا ظاہری نجاستوں سے بالکل جدا ہو تو اس کے جھولے کو صریح ناپاک نہ کہا جائے گا۔

اس جلد کے مسئلہ نمبر ۴۹ کا جواب بھی ایک رسالہ کی شکل میں ہے کہا گیا ہے کہ ایسے حوض کا پانی جو اوپر سے وہ درودہ کی پینش رکھتا ہے مگر اس کا پچھلا حصہ اس پینش سے کم ہے اس حوض میں نجاست پڑنے سے ناپاک نہیں ہوتا کیونکہ مجموع آب کثیر ہے اور اعتبار پانی کی سطح کا ہے۔ اگر حوض کا اوپر والا حصہ وہ درودہ سے کم ہو اور پچھلا حصہ وہ درودہ جاری سے زائد ہو پھر اوپر والے حصے میں نجاست گر جائے تو اوپر والا حصہ ناپاک ہوگا اور اگر پانی کم ہو گیا اور صرف نچلے حصے میں رہ گیا تو اس سے وضو اور غسل جائز ہوگا۔ کیونکہ کثیر پانی اس وقت نجس ہوگا جب نجاست کی وجہ سے اس کا کوئی وصف متغیر ہو جائے۔

حوض کا اوپر والا حصہ ناپاک ہو گیا پھر اوپر والا ناپاک پانی نکال دیا گیا اور حوض کا اوپر والا حصہ خشک ہو گیا اور پھر اس میں پاک پانی ڈال کر اس کو بھردیا گیا تو سارا حوض پاک ہوگا۔

اگر حوض کا اوپر کا حصہ وہ درودہ ہے مگر پچھلا حصہ پینش میں کم ہے پھر اس حوض میں نجاست گر گئی تو بالائی حصہ پاک ہے اگر پانی کم ہو کر نچلے حصے تک رہ گیا تو پانی ناپاک کہلائے گا اگر اس نچلے حصے میں نجاست چلی گئی۔ اگر پانی نچلے حصے میں تھا اس میں نجاست پڑ گئی اور پھر اس میں پانی آیا اور اوپر تک بھر گیا تو وہ صورتیں ہیں اگر پانی اس طرح آیا کہ اہل کو حوض سے باہر بیٹھے لگا تو آب جاری ہونے کی وجہ سے پاک ہو گیا اور اگر اتنا پانی آیا کہ حوض بھر گیا تو پانی ناپاک ہی رہا۔ الماء الحار ی بطہر بعضہ بعضاً کا مطلب یہی ہے۔ اگر پاک پانی آئے اور نجس پانی کو لے کر جاری ہو جائے تو سارا پانی پاک ہوگا۔

مسئلہ نمبر ۵۵ کے جواب میں اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے ”النور والنورق لاسفاو الماء المطلق“ کے نام سے ایک مفصل فتویٰ تحریر فرمایا جس کی پانچ فصول ہیں۔ فصل اول جزئیات منصوصہ پر مشتمل ہے اور وہ تین قسم ہیں، نمبر ۲ میں تعریف مطلق و مقید، نمبر ۳ میں ضوابط جزئیہ فتون، نمبر ۴ میں ضوابط کلیہ متاخرین، نمبر ۵ میں جزئیات جدیدہ ہیں، فرماتے ہیں، عینہ، دریا، نہر، چشمے، جھرنے، جمیل، بڑے تالاب اور کنویں کے پانی سے وضو وغیرہ جائز ہے، البتہ ماہ زمزم سے وضو اور غسل تو جائز ہے مگر ڈھیلے استعمال کرنے کے بعد استنجاء مکروہ ہے اور نجاست دھونا ممنوع ہے۔ سمندر کے پانی سے وضو کا جائز ہونا ہمارے آئمہ اور جمہور امت کے اجماع کی وجہ سے ہے۔ برف کا پگھلا ہوا پانی اور شبنم کا پانی بھی پاک ہے۔ دھوپ سے گرم شدہ پانی کا استعمال طبی اعتبار سے نقصان دہ ہوتا ہے۔ عام لوگوں کے استعمال میں آنے والے کنویں تالاب وغیرہ پاک ہوتے ہیں جب تک کہ ان میں نجاست کا لیتھین نہ ہو جائے۔

جس زمین پر اللہ تعالیٰ کا عذاب اترا اس کے کنویں تالاب وغیرہ کا پانی مکروہ ہے اور اس کی مٹی سے ہم بھی مکروہ ہے۔ اگر کسی دوسرے کی ملکیت کنویں کا پانی اس کی اجازت کے بغیر لیا تو اس کا استعمال جائز ہے کیونکہ کنویں کا پانی جب تک اندر رہے اور بارش کا پانی خالص اللہ تعالیٰ کی ملک ہے۔

کسی نے بارش کا پانی لینے کے لئے برتن رکھا تو اس برتن میں پڑنے والا پانی اس برتن والے کا ہوگا اگر کسی نے صرف پینے کے لئے سمیٹ لیا تو اس کو وضو یا غسل کے لئے استعمال نہیں کرنا چاہیے۔ اگر سمیٹ لیا گیا اس کی اجازت دے تو درست ہے۔ سفر میں اتنا پانی پاس ہے کہ اگر اس سے طہارت کرے تو اس کو یا کسی اور مسلمان کو یا اس کے جانور کو پیاس بھجانے کے لئے کچھ میسر نہ آئے گا تو اس سے طہارت کرنا منع ہے اور اگر اپنے یا کسی اور مسلمان کے بوجھ پیاس ہلاک ہونے کا خوف ہو تو اس پانی سے طہارت کرنا حرام ہے۔ اگر پانی میں کچھ مٹی چیز پڑ گئی اور ہلکا سا بیٹھا ہو گیا تو اس سے وضو جائز ہے۔ اس طرح اگر کوئی چیز تھوڑی مقدار میں پانی میں مل گئی تو بھی اس پانی سے وضو جائز ہے۔

تربوز کا پانی عام پانی میں اتنا مل جائے کہ عام پانی پر اس کا مزہ غالب نہ آئے تو بھی اس پانی سے وضو جائز ہے۔ یہی شیرہ انگور کا ہے۔ سرکہ اس طرح پانی میں مل جائے کہ اس کا کوئی وصف پانی پر غالب نہ آئے یا صرف اس کی بو غالب آئے تو اس پانی سے بھی وضو جائز ہے۔ اگر دودھ پانی میں مل گیا مگر دودھ کا رنگ پانی پر غالب نہ آیا تو اس پانی سے بھی وضو جائز ہے۔

آپ فرماتے ہیں کہ مندرجہ ذیل سے وضو جائز نہیں۔ پلید پانی، مستعمل پانی (جس سے پہلے وضو کیا گیا ہو) برہم کے عریقات جو کشید کئے جاتے ہیں، آب کاسنی و آب کبوتر، زعفران سے نکالا گیا پانی، برہم کے بھلوں کا جوس، گنے کا رس، ناریل کا پانی، برہم کا سرکہ، نمک کا پانی (نمک گرمی میں جم جاتا ہے اور میں چمکتا ہے) ماما، لٹھن کہ دودھ کو پھار کر پانی نکالتے ہیں، وہی کا پانی، لسی (چھاپچھ) چا دلوں کی پیچ، ماء اللحم، گوشت کی پختی، جس پانی میں پنے اہالے گئے، وہ پانی جس میں سونگھلے ہوں، سیلاب کا پانی جس میں گچڑ مل کر گاڑھا کر دے۔ کافی، چائے کا قہوہ۔

اس سلسلے میں ایک قاعدہ یہ ہے کہ اگر پانی میں ایسی چیز مل جائے جس سے پانی کو پانی نہ کہا جائے یعنی نام بدل جائے یا ایسا سیال مادہ (Liquid) جس کو پانی نہ کہا جاتا ہو اس سے وضو جائز نہیں۔ اگر پانی میں اس قدر رنگ مل جائے کہ وہ کسی چیز کے رنگنے میں کام آسکے تو اس سے بھی وضو جائز نہیں۔ فصل ثانی میں فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے پانی کو مطلق بیان فرمایا ہے اور مطلق وہ ہے جس سے صرف ذات مراد ہو اور مقید وہ ہے کہ ساتھ میں صفت بھی مراد ہو۔ قرآن میں ماہ مطلق سے مراد یہ ہے کہ کوئی ایسی چیز اس میں ملی ہوئی نہ ہو جس کی وجہ سے مطلق پانی کا نام مسلب ہو جائے۔ مطلق پانی وہ ہے جو اپنے پیدائشی اوصاف پر باقی ہو۔ اس کی رقت و سیلان اپنی حالت میں ہو، اس کو کوئی اور نام نہ دیا گیا ہو، ایک ضابطہ یہ بھی ہے کہ پانی کی طبع زائل نہ ہو جس پر کوئی اور چیز غالب نہ آجائے یا کوئی اور چیز اس میں پکائی نہ گئی ہو تو اس سے وضو جائز ہے۔

سُننی سیکرٹریٹ میں
جماعت اہل سنت صوبہ سرحد کے پندرہ یوم
کیف و مستی کی عجب دنیا

پانچ نومبر 2008 کو جماعت اہل سنت کی مرکزی انتظامیہ کا اہم اجلاس مرکزی امیر پیر سید منظر سعید کاظمی کی زیر صدارت منعقد ہوا جس میں سنی سیکرٹریٹ کی ترقی، اتحاد اہل سنت، ملکی حالات اور دیگر اہم جماعتی امور پر غور و خوض کیا گیا۔ اجلاس میں ترقیاتی کمیٹی کے انعقاد، سنی سیکرٹریٹ کی ترقی کے لئے صوبائی سطح پر فنڈز کی فراہمی اور سنی سیکرٹریٹ کے دفاتر میں کام شروع کرنے کا فیصلہ بھی کیا گیا۔ چنانچہ ہر صوبہ کی یکے بعد دیگرے 15، 15 روز کے لئے سنی سیکرٹریٹ کے دفاتر میں ڈیوٹیاں لگائی گئیں۔ اس ضمن میں کام کی تقسیم یوں کی گئی۔

یکم جنوری تا 15 جنوری 2009 صوبہ سرحد

یکم فروری تا 15 فروری 2009 صوبہ پنجاب

یکم مارچ تا 15 مارچ 2009 صوبہ سندھ

یکم اپریل تا 15 اپریل 2009 صوبہ بلوچستان

یکم مئی تا 15 مئی 2009 صوبہ وفاقی علاقہ جات

یکم جون تا 15 جون 2009 آزاد کشمیر

یکم جولائی تا 15 جولائی 2009 ایڈوائزری کونسل سنی سیکرٹریٹ

یکم اگست تا 15 اگست 2009 لاہور ڈویژن (مقامی)

اجلاس کے فیصلوں کی رو سے تو سنی سیکرٹریٹ میں یکم جنوری سے ڈیوٹیوں کا آغاز ہونا تھا لیکن سیکرٹریٹ میں مرکزی ناظم اعلیٰ پیر سید ریاض حسین شاہ کے دفتر کو دسمبر 2008 کی پہلی تاریخ سے ہی فعال کر دیا گیا۔ جناب محمد بہاء الدین نے اپنی ٹیم کے اراکین کی ڈیوٹیاں لگائیں اور یکے بعد دیگرے شاہ جی کی گئی سنی سیکرٹریٹ میں حاضر رہے۔ یکم جنوری 2009 کو مرکزی ناظم اعلیٰ جماعت اہل سنت پاکستان نے مستقل طور پر سیکرٹریٹ میں اپنا سیکرٹری علامہ محمد عمیر عارف کو مقرر کر دیا۔

حسب پروگرام یکم جنوری 2009 کو جماعت اہل سنت صوبہ سرحد کا وفد سنی سیکرٹریٹ پہنچ گیا۔ وفد میں مرکزی نائب ناظم اعلیٰ حافظ محمد زبیر اعوان، صوبائی ناظم اعلیٰ علامہ محمد بشیر القادری، ضلعی ناظم مالیات ہری پور محمد اشتیاق، امیر یونین کونسل ضلع ایبٹ آباد محمد اقبال اور محمد آصف شامل تھے۔

مرکزی ناظم اعلیٰ مفسر قرآن، مفکر اسلام حضرت پیر سید ریاض حسین شاہ نے سنی سیکرٹریٹ میں کام کے حوالہ سے ہدایات دی تھیں کہ:

(۱) روزانہ عصر کی نماز کے بعد درس قرآن دیا جائے۔

(۲) قرب و جوار کے علماء و مشائخ کو سنی سیکرٹریٹ میں مدعو کیا جائے اور ان سے سنی سیکرٹریٹ کو فعال بنانے کے لئے تجاویز و آراء لی جائیں۔

(۳) قریبی دیہاتوں و قصبہ جات میں مقیم لوگوں کو سنی سیکرٹریٹ کا تعارف کرایا جائے۔ قریبی مساجد و اداروں سے رابطہ

(۴) جماعت کے مقامی ذمہ داران سے رابطہ

ہدایات کے مطابق صوبہ سرحد کے وفد نے سنی سیکرٹریٹ میں اپنے کام کا آغاز کر دیا۔

درس قرآن:

قرآنی تعلیمات کا پرچار جماعت اہل سنت کے مقاصد میں شامل ہے۔ تمام علوم و معارف کا مخزن قرآن ہے اور قرآن پاک ہی ہماری تنظیم کا چارٹر ہے۔ چنانچہ سنی سیکرٹریٹ میں سب سے پہلے درس قرآن حکیم کا اہتمام کیا گیا۔ خوش قسمتی سے اس پر وقار تقریب میں مرکزی ناظم اعلیٰ پیر سید ریاض حسین بھی تشریف فرما تھے چنانچہ آپ نے درس قرآن کے ان مبارک پروگرام کا افتتاح فرمایا۔ اپنے افتتاحی درس قرآن میں سورہ فاتحہ پر خوبصورت، جامع اور اصلاحی گفتگو کرتے ہوئے آپ نے فرمایا کہ سورہ فاتحہ ہم سے تقاضا کرتی ہے کہ ہم کثرت سے اللہ کی حمد و ثناء اور اس کا ذکر کریں، اس کی نعمتوں پر شکر بجالائیں، آخرت کا ہمیشہ یاد رکھیں۔ اللہ تعالیٰ کی عبادت و بندگی کبھی ترک نہ کریں، دنیا اور دنیا داروں سے منہ موڑ کر اللہ تعالیٰ کی ذات کو ہی اپنا قبلہ حاجات بنائیں۔ انعام یافتہ، نیک لوگوں کی صحبت اختیار کی جائے اور گمراہ لوگوں سے اجتناب کیا جائے۔

مرکزی ناظم اعلیٰ کے درس سے سنی سیکرٹریٹ کی فعالیت کا آغاز ہو چکا تھا اب صوبہ سرحد کے اراکین نے اپنے کام کا آغاز کرنا تھا، چنانچہ جماعت اہل سنت صوبہ سرحد نے باجماعت نمازوں کی ادا کیگی کے علاوہ مندرجہ ذیل عنوانات کے ساتھ صوبہ سرحد نے کام شروع کر دیا۔

درس حدیث:

قرآن کے بعد حدیث رسول ہی مومن کا اثاثہ ہے۔ کوئی شخص حدیث نبوی ﷺ کے نور سے بے پردہ ہو کر صراطِ مستقیم کا تعین نہیں کر سکتا، چنانچہ سنی سیکرٹریٹ میں روزانہ بعد نماز فجر درس حدیث کا اہتمام کیا گیا۔ جماعت اہل سنت صوبہ سرحد کے ناظم اعلیٰ علامہ محمد بشیر القادری نے پہلا درس حدیث شریف دیا۔ دیگر ایام میں علامہ بشیر القادری کے ساتھ درس حدیث ارشاد فرمانے والے علماء میں ادارہ تعلیمات اسلامیہ سے فارغ التحصیل علامہ محمد عمیر عارف، صوبہ سرحد کے امیر علامہ غلام احمد برق اور علامہ آغا عبدالرحمن شامل ہیں ہر روز بعد نماز فجر درس حدیث نے سنی سیکرٹریٹ کی فضاؤں کو نورانی بنا دیا۔

محفل ذکر:

الا بس ذکر لله تطمنن القلوب۔ اللہ کے ذکر کے بغیر نہ تو انفرادی طور پر سکون ملتا ہے اور نہ ہی اجتماعی نصرت و کامیابی ممکن ہے، یہی وجہ ہے کہ میدانِ جہاد میں بھی بزرگانِ دین اللہ کے ذکر سے غافل نہیں ہوئے۔ جماعت اہل سنت نے ذکر اللہ کی اہمیت کو سمجھتے ہوئے سنی سیکرٹریٹ میں محفل کا ذکر کا انعقاد کیا، چنانچہ ہر روز نماز فجر اور درس حدیث شریف کے بعد محفل ذکر کا انعقاد کیا گیا اور ذکر کے بعد انفرادی طور پر نماز اشراق ادا کی جاتی رہی۔

درس فقہ و سوال و جواب:

روزانہ ساڑھے دس بجے تا 12 بجے دن درس فقہ کا اہتمام کیا گیا۔ ڈیرہ اسماعیل خان سے تعلق رکھنے والے حضرت علامہ عبدالقیوم قادری رضوی درس فقہ اور پوچھے جانے والے سوالوں کے جواب دینے کے فرائض سرانجام دیتے رہے۔

علماء سے ملاقات و مشاورت:

مرکزی ناظم اعلیٰ کی ہدایت کے مطابق صوبہ سرحد کے اراکین نے علماء سے ملاقات کا سلسلہ بھی شروع کیا، چنانچہ 3 جنوری بروز ہفتہ جماعت کا وفد جو گوانوالہ میں علامہ ابوداؤد حاجی محمد صادق کی خدمت میں حاضر ہوا۔ علامہ صاحب کچھ دنوں سے علیل ہیں، ان کی بیماری کی گئی اور مرکزی ناظم اعلیٰ کا سلام و دعا پہنچایا گیا۔ مختصر ملاقات میں علامہ ابوداؤد محمد صادق وامت برکاتیم نے بڑی شفقت کا مظاہرہ فرمایا، مرکزی ناظم اعلیٰ کے لئے کتابوں کا تحفہ دیا اور دعا کے ساتھ جماعت اہل سنت صوبہ سرحد کے وفد کو رخصت فرمایا۔

سنی سیکرٹریٹ میں مہمانوں کی آمد:

(1) قاری غلام فرید مدرس جامعہ جھویریہ:

4 جنوری بروز اتوار دوپہر 1 بجے قاری صاحب سنی سیکرٹریٹ میں تشریف لائے۔ انھوں نے فرمایا کہ قرب و جوار کی ضلعی و تحصیل اور ڈویژنل جماعتیں اپنے اپنے پندرہ روزہ یا ماہانہ روزہ کر کے تربیتی کونشن سیکرٹریٹ میں رکھیں تو اس طرح لوگوں کا رابطہ سیکرٹریٹ سے ہو جائے گا۔

(2) مولانا علامہ عبدالقیوم قادری رضوی ڈیرہ اسماعیل خان:

آپ روزانہ صبح 9 بجے سے 12 بجے تک سیکرٹریٹ میں موجود رہے اور سیکرٹریٹ میں درس فقہ دیتے رہے۔

(3) محترم محمد اشفاق صاحب مانسہرہ: 4 جنوری کو مانسہرہ سے تشریف لانے والے جماعت اہل سنت کے رکن 15 جنوری تک سیکرٹریٹ میں ہی موجود رہے اور سنی سیکرٹریٹ کی تقریبات میں حصہ لیتے رہے۔

(4) استاذ العلماء مولانا محمد نشاۃ تائش تصوری (لاہور):

4 جنوری کو شام 4 بجے آپ سیکرٹریٹ میں تشریف لائے نماز عصر ان کی اقتداء میں ادا کی گئی۔ آپ نے اپنی کتابوں کا سیٹ بھی عنایت فرمایا۔ آپ نے مندرجہ ذیل تجاویز و آراء سے نوازا۔

(1) فی النور چند طلباء کو یہاں پر رکھا جائے اور ان کے لئے ایک مدرس معین کیا جائے۔

(2) مسجد کو نور آباد کیا جائے ردو جمعہ شروع کیا جائے قائدین جماعت اہل سنت خود ایک ایک جمعہ پڑھائیں اور اس کے لئے خوب اشتہادوں کے ساتھ تشریح کی جائے۔

(3) عید کے اجتماعات بھی کئے جائیں اور انتہائی قربانیاں بھی کی جائیں۔

(4) جن لوگوں سے زمین خرید لی گئی ہے۔ انہیں بھی اور گرد و نواح کے دیگر سرکردہ لوگوں کو بھی جماعت کے پروگراموں میں مدعو کیا جائے۔

(5) مسجد میں لاڈلے سیکرٹریٹ کا درس قرآن شروع کیا جائے اور درس قرآن حوالے سے ایک بورڈ بنوا کر ہر روز پرسانے نصب کیا جائے۔

(6) سکول کا قیام خوش آئند ہے مگر اس کا معیار اچھا ہو اور مناسب فیس بھی ضرور رکھی جائے، اس کے لئے درست منصوبہ بندی کی جائے اور

ان کاموں کو فی الفور شروع کیا جائے۔

(7) قبلہ شاہ کی وجہ سے ہی اہل سنت کو یہ عظیم جگہ ملی ہے اور انشاء اللہ انہی کی وجہ سے یہ آباد بھی ہوگی۔

(۵) علامہ مولانا محمد عارفین و مولانا محمد میر زمان (اہیت آباد):

6 جنوری کو اہیت آباد سے دونوں رہنما سنی سیکرٹریٹ میں تشریف لائے اور درج ذیل آراء سے مستفید فرمایا:

۱۔ سیکرٹریٹ میں مدرسے کا قیام عمل میں لایا جائے

۲۔ سیکرٹریٹ کی مسجد کو جلد فعال کیا جائے

۳۔ ہزارہ ڈویژن میں بھی اسی طرح کا ایک سیکرٹریٹ تعمیر کیا جائے

(۶) مولانا محمد شوکت (ہری پور):

6 جنوری کو ہی ہری پور سے تعلق رکھنے والے جماعت اہل سنت کے رہنما مولانا محمد شوکت صاحب تشریف لائے، سنی سیکرٹریٹ کو دیکھ کر

خوشی کا اظہار فرمایا اور کہا کہ بچوں کا مدرسہ از جلد شروع کیا جائے۔

(۷) محترم جناب عبدالسلام (اہیت آباد):

7 جنوری کو عصر کے وقت اہیت آباد سے محترم جناب عبدالسلام صاحب تشریف لائے۔

(۸) محترم محمد حنیف عباسی (چیف آرگنائزر اہیت آباد):

8 جنوری کو سنی سیکرٹریٹ میں تشریف لائے اور سیکرٹریٹ میں جاری دینی و ملی سرگرمیوں کو سراہا۔

(۹) مولانا محمد ضیاء الحق رضا (ناظم اعلیٰ سیالکوٹ):

8 جنوری کو مغرب کے وقت سیکرٹریٹ میں تشریف لائے اور رات گئے تک سیکرٹریٹ میں موجود رہے۔ سیکرٹریٹ کی عمارت، مسجد و دیگر

شعبہ جات پر اطمینان اور خوشی کا اظہار فرمایا۔

(۱۰) مولانا قاری نذیر چشتی، مولانا داؤد درضوی، علامہ ابن اکرم رضوی، مولانا عبدالقادری صاحب:

9 جنوری بروز جمعہ سیکرٹریٹ میں بصورت وفد تشریف لائے۔

(۱۱) پیر سید ریاض حسین شاہ (مرکزی ناظم اعلیٰ)

اتفاق مسجد لاہور میں جمعہ پڑھا کر اور دیگر مصروفیات کے بعد مرکزی ناظم اعلیٰ سنی سیکرٹریٹ میں تشریف فرما ہوئے اور سیکرٹریٹ میں

موجود علماء کے وفد سے ملاقات فرمائی۔ اسی اثنا میں

(۱۲) میاں محمد حنفی سیفی:

راوی ریان سے سلسلہ سیفیہ کے معروف روحانی پیشوا تشریف لائے اور مرکزی ناظم اعلیٰ سے ملاقات کی۔

(۱۳) علامہ آغا عبدالرحمان (ناظم اعلیٰ ہزارہ ڈویژن)، مولانا قاری سعید (ہزارہ ڈویژن):

دس جنوری ہفتہ سنی سیکرٹریٹ میں تشریف لائے۔ آپ نے تہجد بڑھاتے ہوئے فرمایا کہ سنی سیکرٹریٹ کی چاروں صوبوں میں شائقین

ہونی چاہئیں۔ مرکزی ناظم اعلیٰ نے اہیت آباد میں جو مسجد بنائی ہے، اس میں سنی سیکرٹریٹ کا دفتر بنادینا چاہیے۔ انہوں نے بتایا کہ ہزارہ

ڈویژن میں جماعت اہل سنت کا کام تیزی سے پھیل رہا ہے اور لوگوں میں شعور اجاگر ہو رہا ہے۔ انہوں نے بتایا کہ سنی کانفرنس راولپنڈی میں

75 سے زائد گاڑیاں ہزارہ سے شریک ہوئی تھیں۔ علامہ آغا عبدالرحمان نے سنی سیکرٹریٹ میں درس بھی ارشاد فرمائے۔ آپ یقیناً دونوں

سیکرٹریٹ میں ہی تشریف فرما رہے۔

(۱۴) مولانا غلام احمد برقی:

صوبہ سرحد کے امیر مولانا غلام احمد برقی صاحب سنی سیکرٹریٹ میں ایک ہفتہ قیام پذیر رہے اور واپسی پر آپ نے ناشراتی کتاب میں لکھا:

”سنی سیکرٹریٹ ایک بہت ہی موزوں جگہ پر تعمیر کی گئی ہے۔ یہاں پر اگر ایک جامعہ کی بنیاد رکھوادی گئی تو انشاء اللہ

بہت فائدہ ہوگا اور ہر نوسے سنوں کی آمد شروع ہو جائے گی۔ جامعہ سے جو قوم حاصل ہوں گی اس کو اگر سیکرٹریٹ

کی تعمیر پر لگایا جائے تو مزید ترقی کے موجب ہوگا۔ جن حضرات نے یہ نیک سوچ سوچی اور اس کو عملی جامہ پہنایا ہے،

اللہ تعالیٰ ان کو جزائے غیر نقیصہ فرمائے اور دین و دنیا میں سرخرو فرمائے۔ آمین ثم آمین۔ بجاہ سید المرسلین ﷺ۔

جماعت اہل سنت پنجاب کی صوبائی انتظامیہ کا اجلاس:

14 جنوری کو نظہر کے بعد پنجاب انتظامیہ کا ہنگامی اجلاس سنی سیکرٹریٹ میں منعقد ہوا۔ جس میں تقریباً تیس کے قریب صوبائی قائدین نے شرکت کی۔ اجلاس مغرب تک جاری رہا۔ اجلاس میں مفتی محمد اقبال چشتی صوبائی ناظم اعلیٰ، علامہ خالد محمود ڈسکہ صوبائی امیر، پروفیسر عبد المعز بڑ نیازی، قاری نذیر احمد قادری، قاری فیروز صدیقی، مولانا محمد سلیم ہمدانی وغیرہ نے شرکت کی۔ صوبائی قائدین نے کہا کہ صوبہ سرحد سے اتنے علماء و مشائخ کا پندرہ دنوں کے لئے اپنے آپ کو سنی سیکرٹریٹ کے لئے وقف کر دینا صرف اور صرف شاہ جی سے محبت کا ایک انداز ہے۔

15 جنوری:

اس طرح پندرہ جنوری کو باجماعت نماز فجر، درس حدیث، محفل ذکر، درس قرآن اور اشراق کی نماز کی ادائیگی حسب معمول کرنے کے بعد صوبہ سرحد سے تشریف لانے والے علماء و مشائخ کا یہ وفد روانگی کے لئے تیار تھا۔ 15 دنوں کے لئے انہوں نے سنی سیکرٹریٹ میں جو روٹھیں لگائی تھیں ان پر سنی سیکرٹریٹ کا عملہ اور مقامی قائدین سبھی ان کا شکریہ ادا کر کے انہیں رخصت کر رہے تھے۔ صوبائی امیر مولانا غلام احمد برقی نے اس موقع پر فرمایا کہ مرکزی ناظم اعلیٰ نے سنی سیکرٹریٹ میں عملہ بہت مخلص اور بااخلاق رکھا ہے۔ ان 15 دنوں میں ہمیں کوئی تکلیف نہیں ہوئی۔ بالکل گھر والا ماحول میسر آیا ہے۔ اللہ اس سنی سیکرٹریٹ کی رونقوں کو بحال رکھے اور دین اسلام کی خدمت کا جذبہ ہر مسلمان کے دل میں پیدا کرے۔

سکول کی عمارت کی تعمیر کا افتتاح:

قوم و ملت کی تعلیم و تربیت کا اہتمام باجماعت اہل سنت کے اولین مقاصد میں شامل ہے۔ اسی مقصد کو پیش نظر رکھتے ہوئے سنی سیکرٹریٹ میں ایک سکول کی تعمیر کا منصوبہ بنایا گیا، چنانچہ 24 جنوری کو جماعت اہل سنت کے مرکزی امیر پروفیسر سید مظہر سعید کالظمی نے سکول کی تعمیر کا افتتاح فرمایا۔ اس پروقار تقریب میں مرکزی ناظم اعلیٰ پیر سید ریاض حسین شاہ، عبدالرزاق ساجد، حاجی حنیف طیب، علامہ ثاقب رضا مصطفائی، مفتی محمد اقبال چشتی، محمد احمد، حمزہ مصطفائی، ودیگر رہنما بھی موجود تھے۔

قبلہ نما کے عاشقوں و خضرِ راہ منزلِ ریحانِ نبیب

حاجی احسان الہی قسطنطنیہ (ایم اے ایم ای)

اتفاق مسجد لاہور میں 8۔ جنوری 2009ء، انگریزی ماہ کی دوسری جمعرات بعد نماز عشاء انعقاد پڑھنے والی ماہانہ محفل ذکر اس موقع اس لحاظ سے منفرد اور دل نواز تھی کہ اتفاق سے اس روز 10 محرم الحرام کا تاریخ ساز دن تھا۔ حضرت شاہ جی کے فرمان کے مطابق شہدائے کربلا کی یاد اور بلند کی درجات کے لئے بعد نماز عشاء قرآن خوانی کی گئی تھی کاوت اور ناسازی طبع کے باوجود شاہ جی نے اس روحانی اور وجدانی محفل میں محرم الحرام کی مناسبت سے شہادت امام حسین پاک ﷺ کے حوالے سے پر معزز و مدلل اور عشق و محبت سے لبریز بزرگوار حاصل علی گنگو گفر مانی کہ امام پاک ﷺ نے اپنے نانا کے دین اور اپنے بابا مولانا ﷺ کے علم کو زندہ و تابندہ اور حقیقی و ابدی حیات بخشنے کے لئے کس طرح اپنا تن، من، ذہن، راہ خدا میں قربان کر دیا اور قیامت تک کے لئے اسلام آوردین محمدی ﷺ کو منزل بظاہر تک رسائی دے دی۔ کربلا کے میدان میں جاں نسیں اور دیکتی ریت کے صحراء میں اپنے جگر گوشوں، اہل خانہ اور دروفا کے ہمراہیوں کے ترپتی لاشوں کے نذرانے پیش کیے اور چرخ نعلی قام نے معصوم بچوں، معصوم بہنوں اور بیارزین العابدین ﷺ کے صبر، شکر و رضا کے منظر اور نظارے ملاحظہ کئے لیکن امام پاک ﷺ نے حمایت حق اور حق کے لئے ہر قسم کی جیش کشوں کو دھکا مارا اور ٹھکرا کر آزمائش کی ان ساعتوں میں ذرہ بھر لرزش نہ دکھائی۔ اسلام کی سر بلندی، دین حق اور اپنے نانا جان کی تعلیمات اور مشن پر آج نہ آنے دی۔ حق، غیر، فلاح، بھلائی اور توحید و رسالت کا پرچم سرگوں نہ ہونے دیا۔ اہل دنیا کفر و شرک اور شرکی باطل قوتوں کے سامنے سینہ سپر ہو کر فواید قوت کی طرح ڈٹ گئے اور اپنے رفیق اعلیٰ سے جا ملے۔ امام پاک ﷺ کا جسم مبارک تیروں، نیزوں، برچیوں سے چور چور تھا، لیکن آپ بڑی جوانمردی، استقلال اور بے پائی سے آخری سانس تک بڑی بیعت کا گلا گھونٹتے رہے۔ جب آپ شہادت کا جام نوش فرما رہے تھے۔ آپ کے نانا جان، بابا جان، اور مادر سالار عشق، والدہ پر کار محبت آپ کا استقبال کر رہے تھے۔ اس وقت آپ سجدے میں گرے، اپنے آقا و مولا کے حضور نماز اور سجدہ شکر اور افر مار رہے تھے۔ بڑی بیعت نے جب آپ کا سر مبارک تن سے جدا کیا۔ سر مبارک سے قرآنی آیات کی تلاوت کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔ یعنی لعین، پلید بیزید نے جس اسلام کو منانے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگایا اور ہر حربہ آزمایا، وہ اتنا ہی اور زیادہ قد آور، طاقتور اور مسلم الثبوت حقیقت بن گیا۔

قتل حسین اصل میں مرگ بیزید ہے

اسلام زندہ ہوتا ہے ہر کربلا کے بعد

کے تناظر میں دیکھا جائے تو آج بیزید اور اس کے خاندان یا نسل کا نام و نشان تک دکھائی نہیں دیتا اور اس مردود بے غیرت بیزید کی قبر پر کتے اور بلیاں بھی اسے گندگی کا ڈبیر بھجھ کر پھینک رہے ہیں اور اس کا نام رکھنا کوئی بھی شخص گوارا اور پسند نہیں کرتا بلکہ تا قیام دنیا سے شدید نفرت اور حقارت کی علامت قرار دیا جاتا ہے۔ جبکہ امام پاک ﷺ کی نسل پاک سادات عظام کے روپ میں دنیا کے کونے کونے میں موجود انسانیت کو اپنے لطف و کرم اور فیضانِ نسبت کی برکات اور خیرات بانٹ رہی ہے۔ امام پاک ﷺ کے مزار مبارک پر ہر روز اطراف عالم سے عشاق کشاں کشاں کثیر تعداد میں کھنچے چلے آتے ہیں اور وہاں حاضری دینا اپنے لئے باعثِ نجات و اجر و ثواب اور دین و دنیا کی سرخروئی کا اصل سبب محضو کرتے ہیں۔ ان کے پاجامانے چند لمحے بیٹھ کر عمر بھر کا روگ ختم کر لیتے ہیں۔ بچوں اور گلدستوں کے نذرانے پیش کرتے اور اپنے نام کے ساتھ حسین نام ملانا باعث برکت، عزت و عظمت گردانتے ہیں۔ شاہ جی نے محفل ذکر کی اس باہرکت محفل میں حاضرین و سامعین سے سوالیہ انداز میں مخاطب ہوتے ہوئے فرمایا کہ کیا امام پاک ﷺ، اس کے کنبہ اور ہمراہیوں کی لاشوں پر ٹھوڑے دوڑا کر، عبداللہ بن زبیر کی لاش کو مکہ کے چوک میں لٹکا کر، مصر میں محمد بن ابی بکر کی کھال میں غلاط بھر کر، پیر مسیح اللہ کی تنگی لٹخ کو درخت پر لٹکا کر، خود کش حملوں میں قتل کے بعد نعشوں کو فٹ پال بنا کر اور پینہ شب کر کے، کیا اسلام آوردین محمدی ﷺ مٹ گیا؟ فتح کس کی ہوئی؟ جھنڈا کس کا بلند ہوا؟ قیامت تک کے لئے حیات جاوداں کس کو ملی؟ جنت، کوثر کے مالک کون بنے؟ قدر آدرو کون ہوا؟ امام حسین پاک ﷺ بایزید؟

امام پاک ﷺ اس معرکہ حق و باطل میں سرخرو کیوں نہ ہوتے۔ آپ کے ذہن مبارک نے اپنے نانا جان کی زبان اور لعابِ ذہن کی جاشینوی، لطفانوں، لذتوں اور لمسوں کے وہ جام نوش جا فرمائے تھے جن پر جنّتوں کے دودھ اور شہد بھی رشک کرتے ہیں۔ جن تو اسوں نے سرکارِ دو عالم ﷺ اور اپنے نانا جان کے مبارک کندھوں کی سواری کے حصو لے لئے ہوں۔ آپ کے آنکھوں محبت کے مزے اور تربیت کے اسرار و رموز دیکھے ہوں۔ انہیں کون سرنگوں کر سکتا ہے۔ کتاب عشق کے اوراق کا مطالعہ کرنے سے یہ بات روز روشن کی طرح عیاں اور واضح دکھائی دیتی ہے کہ منانے والے خود مٹ گئے اور اپنی کمینگی و جنت کی غار میں ہمیش کے لئے اتر گئے، لیکن امام حسین پاک ﷺ کی مستقل مہینز سے اسلام آوردین محمدی ﷺ کا پھریرا بے حد تباہ سے لہراتا رہے گا۔

شاہ است حسین پادشاہ است حسین

وین است حسین دین چاہ است حسین

سرداد نہ داد دست در دست یزید

حقا کہ بنائے لا الہ است حسین

کے مصداق ایسے پاکیزہ، رشک تقدس، سراپا طہارت ہاتھ لعنتی، شرابی، زانی اور فسق و فجور سے اٹے مرلے، گندے، غلیظ اور پلید ہاتھ کو کیسے چھو سکتے ہیں۔ اس محفل میں محرم الحرام کے سیاق و سباق کے تناظر میں شاہ جی کے خطاب کے انداز بیان میں روانی، تسلسل اور موقع محل کی مناسبت سے بچے تھے سنہری لفظوں کا کافی البدیہہ نزول سامعین کو میدان کر بلا کے تپتے صحراؤں میں معرکہ حق و باطل ملاحظہ کرو اور ہاتھ اور سامعین سوز و گداز اور اٹھکبار آنکھوں سے لبریز شاہ جی کے چہرے کی زیارت کر رہے تھے۔ خطاب کے بعد چند دستوں نے شاہ جی سے بیعت ہونے کا شرف حاصل کیا۔ بیعت کے سلسلہ میں آپ نے اظہار خیال کرتے ہوئے فرمایا کہ تمام سلاسل کی نسبتوں کا فیض یکساں ہے۔ سلسلہ تقبلیہ کے دس نکات بھی آپ نے بیان فرمائے جن پر عمل پیرا ہونے سے روحانی نسبتوں کے فیوض و برکات کا رنگ مزید گہرا ہو جاتا ہے۔

1۔ اچھے کپڑے پہننا اور طہارت کا خیال رکھنا

2۔ مرشد کی اطاعت

3۔ روحانی مراقبہ

4۔ خفی اور دائمی ذکر

5۔ مناجات

6۔ سنت کی پابندی

7۔ انتہائی ادب اور خدمت

8۔ فکر آخرت

9۔ اپنے آپ کی ملامت (یعنی اپنی نفی کر کے دوسرے کو بہتر جاننا)

بیعت کے بعد خفی ذکر سے دلوں کو منور کیا گیا اور پھر آخر میں مغز عبادت دعا کے مناظر اور کیفیات کو لفظوں اور تحریر کا جامد پہنانا نام از کم مجھ جیسے کم علم کے بس کی بات نہیں۔ روحانی لظافوں کا نقطہ عروج، عشق و محبت کی معراج، عجز و نیاز کے روپ میں ہر آنکھ اٹھلکار اور زندناک۔ اس ضمن میں مجھے ماہنامہ دلیل راہ میں حافظ شیخ محمد قاسم کی تحریر کا ایک اقتباس اچھا لگا اور پسند آیا کہ نفس منکھ، شکستہ مزاج اور زعفران طبیعت شاہ جی جب دعا کر رہے ہوں لگتا ہے کسی نے انہیں قتلگی پہ چڑھا دیا ہو۔ ایسے الفاظ صرف حافظ قاسم جیسے لوگ ہی استعمال کر سکتے ہیں۔ میری نظر میں شاہ جی جب دعا کے لئے ہاتھ اٹھاتے ہیں تو ایسے لگتا ہے جیسے مکین لامکاں تک رسائی حاصل کر کے عطا یگی قدرت سے مالا مال ہو چکے ہوں۔ دعا کا سماں دیدنی ہوتا ہے۔ آپ بارگاہ رب العزت میں عجز و انکساری کا بیکر بنے، واقعی مستحق سوائی طرح گڑگڑاتے جاتے ہیں اور ضد کرتے ہیں کہ مولا، یہ عطا فرمادے نا، یہ دے دے نا، خیرات جمولی میں ڈال دے نا، جیسے الفاظ قلب و روح میں کھینچے چلے جاتے ہیں۔ اپنی ذات کی نفی کرتے ہوئے فرما رہے ہوتے ہیں۔ اے رب! یہاں جو بندہ تجھے سب سے زیادہ پسند اور مقبول ہے اس کی وجہ سے معاف فرمادے۔ شاہ جی نے ایک موقع پر محفل ذکر میں یہ بھی فرمایا حرام ہے وہ دن جس دن میں آپ لوگوں کے لئے دعا نہ کروں، آپ میرے جگر کے ٹکڑے ہیں، مجھے اپنے بچوں سے بھی زیادہ پیارے اور عزیز ہیں۔ اللہ! اللہ! کیا محبت خلوص، اپنائیت، قرب کے احساسات ہیں جو شاہ جی اپنے چاہنے والوں کے بارے میں رکھتے ہیں۔ رحمن، رحیم، کریم، غفار اور ستار اللہ اگر ایسی دعائیں قبول نہیں فرمائے گا تو پھر کون ہی دعائیں باعث قبولیت ہوں گی۔

روز اول سے ہی خیر اور شر کا تضاد چلا آ رہا ہے۔ اس مادی دنیا میں افراتفری، منافقت، ظلم و بربریت، خیر و تشدد، سفاکی، بے ایمانی، خوف و ہراس، حرص و ہوس، بے راہ روی، تشنات جیسی قبیح عادات شرکی آماجگاہ ہیں اور انسانیت کے لئے ناسور اور زہر بلا ہل ہیں وہاں امن و آشتی، چین و سکون کی فضا مکر کرنے کا موجد بھی ہیں۔ بے چینی و بے سکونی کے ماحول نے بنی نوع انسان کی انسانیت کو سہوتا کر دیا ہے۔ آرائش و زیبائش اور مژدہ و نمائش کی دوڑ نے خون سفید کر دیے ہیں۔ دولت کی چکا چوند نے تمام اخلاقی و روحانی اقدار پامال کر دی ہیں۔ ظلم و بربریت کے گھوڑے ہرست بلا خوف و خطر دوڑانے جا رہے ہیں۔ عدل و انصاف کے بچنے اڈھیلے جا رہے ہیں، غربت، بے روزگاری اور ہوشربا

مہنگائی نے زندگی امیرن کر رکھی ہے۔ امیر امیر تار اور غرب غریب تر تفریق کا عمل جاری و ساری ہے۔ ہر وقت گردی اور خود کش حملوں کے سبب ہر آدمی مستقل خوف زندگی کا شکار ہے۔ کیبل، ڈش، انٹرنیٹ، موبائل کی آڑ میں نوجوان نسل جنسی بے راہ روی، فحاشی، عنایت اور اخلاقی اقدار کی گراؤ کی سیاہ تاریکیوں میں گم ہوتی جا رہی ہے۔ رشوت اور سفارش نے میرٹ اور انصاف کی دھجیاں اڑا دی ہیں۔ ”اوتھ رے اوتھ تیری کون سی کھل سیدی“ دالی صورت حال پیدا ہو چکی ہے۔ حالات دن بدن بد سے بدتر اور دگرگوں ہوتے جا رہے ہیں۔ امراء و دولت کی ریل جیل، بنگلوں، پلازوں، لگژری گاڑیوں اور وی آئی پی ماحول کے باوجود بے سکون، بے چین، ڈپریشن اور مختلف بیماریوں میں جکڑے ہوئے ہیں جبکہ غرباء اپنے خاندان کی کفالت، روزی کے حصول اور سستے بلکے بیمار بچوں کی آدو بکا کے ہاتھوں بے بس، بے سکون اذیت ناک زندگی گزارنے پر مجبور ہیں۔ حکمران اور بااختیار طبقہ حسینیت اور حق گوئی و بے ہاکی کا سبق اور تاریخ بھول کر اپنی بھاتا سلامتی کے لئے بے یاریت کے پیر و کاروں کے کاسہ لیس نظر آتے ہیں اور انہیں اپنا معبود اور نجات دہندہ تصور کرتے ہیں۔ ان تمام آلائشوں، آزمائشوں، پریشانیوں اور بے سکونٹیوں کی اصل وجہ بزرگ ہستیوں اور دروس حسینیت سے کنارہ کشی ہے۔ ان موذی اور مہلک امراض کی مکمل شفا یابی کا راز صرف روحانی شفا خانوں میں ہی مضمر ہے۔ خیر کو شر پر غالب کرنے کا اصل اسلام کی اصل روح کو سمجھنے اور اپنانے میں ہے۔ خیر کی ایک معمولی سی ذوق میں شر کی بھڑکتی چنگاریوں اور شعلوں کو محسوس کرنے کی ناقابل تخیر طاقت موجود ہے۔ خوف خدا سے انسان کے آنسو کا ایک چھوٹا سا قطرہ نار جہنم کو گل و گلزار بنانے کا فن جانتا ہے۔ دنیاوی و آخرت کی کامیابیوں و کامیابیوں کی سند صرف اللہ والوں سے ناطہ جوڑنے اور ان کے دامان عصمت سے تمسک پیدا کرنے سے ملتی ہے۔ جو کوئی ان سے جڑ گیا ان کی دین و دنیا سنورا دکھ گھری۔ ابدی و روحانی سکون ان کا مقدر بن جاتا ہے، پھر وہ شاہی کور، جمکنت، جاہ و جلال، رعب و بد بیاہ اور شان و شوکت کو اپنے پاؤں کی جوتی کی نوک پر بھی نہیں رکھتے۔

لگاؤ ولی میں وہ تاثیر دیکھی
بدلتی ہزاروں کی تقدیر دیکھی

کی روشنی میں داتا علیٰ جویری رحمۃ اللہ علیہ، خواجہ معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ، بوعلی قلندر رحمۃ اللہ علیہ، نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ، بابا فرید الدین گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ، بہاؤ الحق ذکریا رحمۃ اللہ علیہ، شاہ شمس تبریز رحمۃ اللہ علیہ، لعل شہاب قلندر رحمۃ اللہ علیہ، میاں محمد بخش رحمۃ اللہ علیہ، خواجہ غلام فرید رحمۃ اللہ علیہ، سلطان بابو رحمۃ اللہ علیہ، حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ، شہاب الدین غوری رحمۃ اللہ علیہ، فضل حق خیر آبادی جیسی ان گنت اولو المعزم، عظیم اور عظیم القدر ہستیوں کے وجود اور دم قدم سے ہی کائنات ہستی میں چارواک عالم اسلام کا بول بالا اور دکن کا رہا ہے اور قیامت تک بخیر رہے گا۔ ان ہستیوں نے توحید پرستی، رسالت مآب ﷺ کی تعلیمات کے جھگڑاتے فرامین اور قرآن کی عملی تفسیر کے نمونے دینا کے کوئے کوئے میں پھیلائے بلکہ ان مجددوں، فقہروں، درویشوں اور اہل اللہ کی گدڑیوں، روش و تابندہ چہروں کی آب و تاب میں وہ راز، گہرائیاں اور گوہر نایاب موجود ہوتے ہیں کہ وہ مار گنتی کے سینے پر لانا زوال، امنٹ، پاکیزہ، روحانی و لاقانی سنبھلے نقوش ثبت کر دیتے ہیں۔ ہر دور اور زمانے میں اولیائے کرام، مشائخ عظام، علماء، خطباء، حضرات قیامت تک کے لئے اس شمع کو روشن رکھنے کا فریضہ سر انجام دیتے رہیں گے۔ خیر کے یہ دافر اور وسیع انتظامات ہمیشہ وقت کے ضروروں، فرعونوں، شدادوں، تاروٹوں اور بیدوں کے شر کو کچلتے، مسلتے اور مٹاتے رہیں گے۔

قبول الحال کے عصر حاضر میں ان برگزیدہ، متقی و صالح ہستیوں میں رازی رحمۃ اللہ علیہ و غزالی رحمۃ اللہ علیہ کے روپ میں منکر اسلام، مفسر قرآن، شیخ الاسلام، پیر طریقت علامہ سید ریاض حسین شاہ مدظلہ العالی آف راولپنڈی کی شخصیت سب سے نمایاں اور قد آور دکھائی دیتی ہے۔ آپ نہایت نلسنار، بس کھ، ہمدرد، مختلف مزاج، قول و فعل کے یکے اور سچے، علم و عرفان کے سمندر، رشددہ ہدایت کی مسند کے علمبردار، دور حاضر کے نبض شناس، عشق رسول ﷺ سے سراپا معمور اور ملت اسلامیہ کے سرکا تاج ہیں۔ آپ کی نشست و برخاست، قیام و طعام، سونا جاگانا و دیگر معمولات سنت رسول اللہ ﷺ کے آئینہ دار اور پاسبان ہیں۔ اچھا سب کچھ دین مبین کی سر بلندی کے لئے وقف کر رکھا ہے۔ ادارہ تعلیمات اسلامیہ راولپنڈی سے اب تک سینکڑوں نہیں بلکہ ہزاروں طالب علم مختلف دینی و دنیاوی علوم سے استفادہ کر کے عوام الناس کو دنیا کے کوئے کوئے میں علم کی روشنی پھیلا کر اسلامی انقلاب کا باعث بن رہے ہیں۔ تبلیغی تنظیمی سرگرمیوں کے پیش نظر حضرت شاہ جی اکثر سفر میں رہتے ہیں۔ اپنی گاڑی سے بہت سے کام لے لیتے ہیں۔ وقت ملے تو مطالعہ، تصنیف و تالیف، مراقبہ، وظائف، ذکر اور گاڑی میں بھی کر لیتے ہیں۔ آرام کی ضرورت محسوس فرمائیں تو گاڑی ہی کو بھر بھر کر کچھ دیر سو بھی لیتے ہیں، وگرنہ آپ بہت کم سوتے ہیں۔ وقت کا ایک سینڈ بھی ضائع نہیں فرماتے۔ کسی پر خود خرچ کر ڈالتے ہیں لیکن کسی سے خرچ نہیں کرواتے۔ دینی اور اخلاقی کاموں میں اپنی گہرے سے حتی المقدور

خرچ کرتے رہتے ہیں۔ کسی کو کرب، مشکل اور پریشانی میں نہیں دیکھ سکتے۔ دعوت قبول فرما لیتے ہیں اور عرب سٹیوں کے گھروں میں تشریف لے لے جانا زیادہ پسند فرماتے ہیں اور تکلفات سے منع فرماتے ہیں۔ نفع، بناوٹ اور نمود و نمائش کو اچھا نہیں سمجھتے۔ جو ملے زندگی کی حرارت قائم رکھنے کے لئے چند لقمے تناول فرما لیتے ہیں۔ مرغن اور انواع و اقسام کے کھانوں کے شوقین نہیں ہیں، عرصہ کم و بیش ایکس سال سے اہالیان لاہور اور قرب و جوار کو اپنی محبتوں، چاہتوں، قربتوں، مسکراہٹوں، زیارتوں اور حواہی کی سوانحیں اور نئے نئے تقسیم فرما رہے ہیں اور تشنگانِ طلب راہِ حق کے پیاسوں کو رشدد و ہدایت کے چشموں سے سیراب کر رہے ہیں۔ ہر مکاتبہ فکر کے لوگ آپ کی اقتداء میں نماز جمعہ ادا کرنے آتے ہیں، جو کوئی ایک دفعہ آپ کی زیارت کر لیتا ہے اور نماز جمعہ کی ادا ہو گئی کر لیتا ہے وہ پھر آپ ہی کا گرویدہ اور عاشق بن جاتا ہے اور اگلے جمعہ کا بڑی بے مبرمی اور بے قراری سے انتظار شروع کر دیتا ہے۔ 40 منٹ دورانیے کے خطاب کا ایک ایک لفظ سامعین کے اذہان و قلوب میں اترا اور کھلنا چلا جاتا ہے۔ انداز گفتگو اتنا پر وقار اور پر تاثیر ہوتا ہے کہ سامعین گوش آواز ہو جاتے ہیں جیسے سکتے کا عالم ہو۔ بات کو سمجھانے اور آسان فہم بنانے کے لئے شاہ جی جب مثالوں، تشبیہوں اور استعاروں کا برفقت استعمال کرتے ہیں تو ماحول اور منظر کشی کا ایسا سا بندھ جاتا ہے جیسے واقعات اور کیفیات ہماری آنکھوں کے سامنے ہیں۔ یہ خدا داد صلاحیت صرف آپ ہی کا طرہ امتیاز ہے۔ نصاحت و بلاغت کا سمندر موجزن اور غماضیں مار رہا ہوتا ہے اور جوار بھائے دکایات عشق و محبت کی معرفت کارا ز جاننے کے لئے خواب غفلت میں ڈوبے ہوئے افراد ملت کو دعوتِ عمل پر اکسار رہے ہوتے ہیں۔ جی چاہتا ہے شاہ جی بولتے جائیں اور ہم سنتے چلے جائیں لیکن وقت کا بے رحم سایہ روحانی تفتیشی کا احساس باقی رکھے اگلے جمعہ کے انتظار کا عندیہ دے دیتا ہے اس حضور فقیر سے بعض دوست اکثر یہ کہتے ہیں کہ آپ جمعہ پڑھنے کے لئے لاہور جاتے ہیں کیا آپ کا جمعہ یہاں قصور میں نہیں ہوتا میں فورا کہہ دیتا ہوں کہ میرا جمعہ قصور میں نہیں ہوتا۔ میرے مرشد و مربی شاہ جی جمعہ پڑھانے کے لئے پنڈی سے لاہور تشریف لائیں اور میں قصور سے لاہور تک نہ پہنچوں۔ یہ کیسے ممکن ہو سکتا ہے؟ اگر کبھی شاہ جی جلیانی سرگرمیوں وغیرہ کے لئے یاچ وغیرہ کے لئے بیرون ملک تشریف لے جائیں تو جان کو ہن آتی ہے۔ وقت کئے نہیں کٹتا۔ افسردگی اور پر مزدگی چھا جاتی ہے اور آپ کا خلا سو ہاں قلب و روح بن جاتا ہے جیسے مچھلی پانی کے بغیر تڑپتی ہے پھر دل و جان سے فی الہد یہ یہ یہ دعا میں اور گھلتا لب پہ آ جاتے ہیں کہ شاہ جی کامیابوں و کامرائوں کے ساتھ بخیر و عنایت جلد ہمارے درمیان موجود ہوں اور میں اپنی آنکھوں محبت میں لے لیں اور پرسہ دینے لگ جائیں کہ اصل بات بتاؤں کہ آپ کے بغیر میرا بھی دل نہیں لگا اور میں بھی اداس رہا۔ حضرت شاہ جی بہت ہی کتابوں کے مصنف بھی ہیں۔ آپ کی تحریروں کا ایک ایک لفظ، ایک ایک حرف قاری کے دل کی عطا گہرائیوں میں روشنیاں اور اجالے بکھیرتا چلا جاتا ہے۔ تبصرہ سورۃ یوسف و سورۃ یس، منجم اصطلاحات، لوح و قلم تیرے ہیں، صبح زندگی، صغیر انقلاب، سراغ زندگی، حقیقت تقویٰ، میلا داد النبی ﷺ، پر وقار محبت، منافقہم قرآن۔ آپ کی معرکہ الاراء اور انقلاب انگیز تصانیف ہیں۔ حال ہی میں آپ نے اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم اور حضور ﷺ کی خاص لطف و عنایت سے قرآن مجید، فرقانِ حمید کا آسان فہم اور ترجمہ قارئین کو تحفہ میں دیا ہے۔ سنابل نور حضرت قبلہ شاہ جی کی ایک نہایت ہی شاہکار عمدہ، خوبصورت اور قابل رشک تصنیف ہے جو کہ آپ نے اپنے مرشد کریم حضرت الہی محمد جمشید قدس سرہ العزیز کے نام کی ہے۔ اس نادر اور منفرہ تصنیف میں محافلِ نور کی دکایات مہر و محبت کے سمندر میں غوطہ زن ہونے کے مواقع موجود ہیں۔ اس کے علاوہ صحابہ کرام رضوان اللہ اجمعین کی رشک فلک اور ایمان افروز زندگیوں پر مشتمل بے شمار پہلٹ نائپ کتب پڑھنے والوں کو عشق کی منزلوں کی معراج کروا دیتی ہے۔ ماہنامہ دلیل راہ حضرت قبلہ شاہ جی کی ایک زندہ و جاوید کرامت ہے۔ اس کا اپنا ایک الگ انداز اور مقام ہے۔ قارئین ہر ماہ اس کا شدت سے انتظار کرتے ہیں۔ دلیل راہ اسلامی انقلاب کے لئے سلگتے جذبوں کا تحریری اظہار ہے۔ خاص طور پر گفتنی و ناگفتنی کے عنوان سے شاہ جی کی شیر کی و حار جی تحریروں جابر سلطان کے سامنے کلمہ حق کہنے کے مترادف ہیں۔ جس میں آپ بلا جہل و حجت، بلا خوف و خطر نغز جن بلند کرتے ہوئے ظالم و جاہل و چاہا باز حکمرانوں کی مکاریوں اور منافقانہ تدویروں کو بے نقاب کر کے ان کی مذمت کرتے ہوئے جہاد کئے چلے جاتے ہیں اور مردہ ضمیروں کو جھنجھوڑتے چلے جاتے ہیں اور ان کے قول و فعل کے تضاد کی نشاندہی کر کے آئینہ دکھاتے چلے جاتے ہیں۔ اس پاداش میں کئی باقید و بند کی صعوبتیں بھی برداشت کر چکے ہیں، لیکن نغمہ حق کی صدا کو بلند سے بلند تر کرنا آپ کو اپنی جان سے بھی زیادہ عزیز ہے۔ نیل میں بھی بے شمار قیدیوں کی زندگیوں میں قاتلی رشک تبدیلیاں پیدا کر چکے ہیں۔ خود شاہ جی کی اپنی ذات کے لئے نیل زحمت کی بجائے رحمت بن گئی کیونکہ آپ نے وقت سے استفادہ کر کے جیل میں قرآن مجید حفظ کرنے کی سعادت حاصل کر لی۔ وگرنہ آج کل تو اکثر بڑے بڑے علماء، خطباء، مشائخ، چیرانِ عظام حق و صداقت کا نغمہ بلند کرنے کی بجائے مصلحت پسندی کی آڑ میں حکمرانوں کے خوشامد پسند اور گداگر نظر آتے ہیں۔ مختصر یہ کہ ان حالات میں اگر حق کے مد مقابل باطل قوتوں سے نچوڑا زماں کی ریت سے نبرد آزما اور سرخرو ہوتے

دلخانی دیتے ہیں۔ تو وہ شاہ جی ہی نظر آتے ہیں بقول اقبال:

اگرچہ بت ہیں جماعت کی آستینوں میں
مجھے ہے حکم اذان لا الہ الا اللہ

نماز جمعہ کے بعد درس حدیث شریف بھی عوام الناس کے دلوں کو قرآن و سنت کے سانچے میں ڈھالنے کا باعث بن رہا ہے۔ کیبل، ڈش، انٹرنیٹ کے دور میں حضرت شاہ جی کی آڈیو، ویڈیو کیسٹس بھی اندرون و بیرون ملک بے شمار انسانوں کو دنیا پرستی سے نجات دلا کر اللہ پرستی اور اسوہ حسنہ کے صراطِ مستقیم پر گامزن ہونے کا پیش خیمہ ثابت ہو رہی ہیں۔ غیر ملکی دورہ جات میں بھی آپ نے ہزاروں بد عقیدہ لوگوں کو قرآن و حدیث کی روشنی میں دلائل اور اپنی قوتِ خضریٰ سے مشرف باسلام فرمایا اور ان کی اخروی زندگی سنوارنے میں مدد و معاون ثابت ہوئے۔

شاہ جی کی زندگی کا لہجہ، لفظ لفظ، ساعت ساعت، عبادت و ریاضت سے مزین و مرصع ہے۔ آپ نے بہت مایہ ناز، عظیم المرتبت اساتذہ کرام، علماء، فضلاء اور مشائخِ عظام سے علوم و معارف کے تمام اسرار و رموز پر دسترس حاصل کی اور ان پر راہِ سلوک کی منزلوں کا رنگ آپ کے مرشد و مربی و سنہدی نابندو نیائے علم و عرفان، محقق لاریب، شیخ المشائخ، خضر راہِ طریقت حضرت قبلہ لالہ جی محمد جشید قدس سرہ العزیز نے چڑھایا اور آپ ملبتِ اسلامیہ کے لئے اخلاقی و روحانی زوال کی مہیب تاریکیوں میں روشنی کا مینار ثابت ہوئے۔ یہ تمام خوبیاں اور اوصاف شاہ جی کو اپنے جدا مہمت بھی وراثت میں ملے۔ آپ جماعتِ چہارم کے طالب علم تھے جب آپ کے استاد کو کبھی سر میں درد ہوتا تو وہ آپ سے فرماتے شاہ جی میرے سر میں درد ہو رہا ہے۔ آپ مجھے دم کر دیں۔ شاہ جی دم کرتے تو انہیں آرام آ جاتا۔ القصد مختصر یہ کہ سید ریاض حسین شاہ ایک شخصیت کا نام ہی نہیں بلکہ ایک ہمہ جہت اور ہمہ گیر انقلاب کا نام ہے جو محبت و عشق کی پر خارا اور پر خطر وادیوں اور گھاٹیوں میں جھٹکتے ہوئے آہو کو سوائے منزل تک پہنچا دیتا ہے۔ ایسے ہی لوگوں کے بارے میں علامہ محمد اقبال علیہ الرحمۃ نے فرمایا تھا:

یہ راز کسی کو بھی معلوم نہیں کہ مومن

قاری نظر آتا ہے حقیقت میں ہے قرآن

الغرض حضرت شاہ جی کے تمام معمولات، چغنی گوشوں اور پیلوؤں کو اور اوراق کی زینت اور احاطہ تحریر میں لانے کے لئے ایک ضخیم کتاب کی ضرورت ہے اور اس فریضے سے حافظ شیخ محمد قاسم اور محمد بہاؤ الدین جیسے عظیم اور قابل رشک لوگ ہی سرخرو ہو سکتے ہیں، جن کے شب و روز شاہ جی کی خدمت اور قدم بوسی میں بسر ہوتے ہیں۔ میں تو جمعہ آٹھ دن کی پیداوار ہوں اور ہر لحاظ سے بہت جو خیم ہوں۔ ان کے سامنے میری حیثیت اور اوقات ہی کیا ہے۔ مجھ پر تو یہ کہاوت یا سجادہ صادق آتا ہے:

کیا پدی اور کیا پدی کا شور ہے

میں حلقاً اقرار کرتا ہوں کہ یہ چند معروضات میرے علم و یقین کے مطابق لفظ لفظ درست اور سچ پر مبنی ہیں اور ان میں کوئی ایہام نہ ہے لیکن مجھے اس بات کا بھی شدید احساس ہے کہ حضرت قبلہ شاہ جی میری اس بے ربا اور ٹوٹی پھوٹی تحریر اور سعی ناکام پر خوش نہیں ہوں گے بلکہ آپ کی شخصیت پر ناگواری کے اثرات مرتب ہوں گے کیونکہ شاہ جی اپنی تعریف پسند نہیں فرماتے لیکن بابا ایسے شاہ کے بقول

سچ سچ کے جیبا کہہ دی اے

منہ آئی بات نہ رہندی اے

دل کے ہاتھوں مجبور اور بے بس ہو کر جرات اور جسارت کا مرتکب ہوا ہوں۔ اس لئے کہ دنیا میں سلوک کا ہر طالب علم اپنے روحانی مربی کا ذکر اتنا ہی ضروری سمجھتا ہے جتنا کہ ذکرِ الہی اور ذکرِ رسول ﷺ اور ناخیز، حقیر نے بے جان فاطمی نہیں بلکہ محمدیہ نعمت کے طور پر حقیقت کا اظہار کیا ہے۔ یہ توقع رکھتے ہوئے:

شاہاں چہ عجب گر نوازند گدرا

اللہ عز و جل حضرت شاہ جی کا سایہ عاطفتِ صحت و تندرستی کے ساتھ تادیر ہمارے اوپر سایہ نکلن رکھے اور ہم آپ سے روحانی و اخلاقی فیض یابیوں کے ثمر حاصل کرتے رہیں۔ آمین!